قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

خط و کتابت

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

پوسٹ کوڈ ——— ۵۴۶۶۰

ٹیلیفون: ۸۷۶۲۱۹

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری

معاون: ثریّا عندلیب

ڈاکٹر صلاح الدّین اکبر

ناشر: عطاءُ الرّحمٰن آرائیں

طابع: سیّد عبدالسلیم

مطبع: آفتاب عالم پریس

۱۳ ہسپتال روڈ۔ لاہور

فون ۲۲۷۳۹۲

مقامِ اشاعت: ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

فہرست مضامین

فہرست ——— ۱

مُبارک ——— ادارہ ——— ۲

لمعات ——— ادارہ ——— ۳

اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں ——— علامہ غلام احمد پرویزؒ ——— ۹

عفت مآب خواتین ——— بشیر احمد عابد۔ کویت ——— ۲۷

قرآن۔ ایک بے مثل معجزہ ——— ڈاکٹر سیّد عبدالودود ——— ۳۶

حقائق و عبر ——— ادارہ ——— ۵۴

نقد و نظر ——— ادارہ ——— ۵۸

بچوں کے لئے ——— علامہ غلام احمد پرویزؒ ——— ۵۹

مغربی جمہوریت اور اسلامی ——— رفیق احمد ——— ۶۲

نظامِ حکومت (انگریزی)

قرآنک ایجوکیشن سنٹر (انگریزی) ——— قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی ——— ۷۳

جلد ۴۷ جنوری ۱۹۹۴ء شمارہ ۱

بدلِ اشتراک

سالانہ

پاکستان ——— ۱۲۰ روپے

دیگر ممالک ——— ۱۸ امریکی ڈالر

فی پرچہ: ۱۰/- روپے

قارئینِ طلوعِ اسلام کو

نیا سال مبارک

معزز قارئین _____ السلام علیکم

سال ۱۹۹۳ء اختتام پذیر ہوا۔ الحمد اللہ کہ وہ قافلۂ قرآنی جس کی تزمیل علامہ غلام احمد پرویز مرحوم نے ۱۹۳۸ء میں کی تھی، خدا کی کتابِ عظیم کی شمع فروزاں کو سنبھالے ۱۹۹۴ء میں بھی اسی جذب و انہماک اور التزام و تسلسل سے سوئے منزل رواں دواں ہے۔ ہم آپ کے تعاون کے لئے آپ کے بے حد ممنون ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ فکرِ قرآنی کی اس متاعِ حسنہ کو جس سے ہم اور آپ مستفید ہو رہے ہیں، دوسروں تک پہنچانے میں آپ کا تعاون مستقبل میں بھی ہمیں اسی طرح حاصل رہے گا۔

بعض قارئین کی طرف سے ۱۹۹۴ء کا زرِ شرکت ہمیں ابھی تک موصول نہیں ہوا۔ ہو سکتا ہے ان کی بھجوائی ہوئی رقوم تادمِ تحریر ہم تک نہ پہنچ پائی ہوں یا ہو سکتا وہ زرِ شرکت بھجوانا تو چاہتے ہوں لیکن انہیں وقت نہ مل سکا ہو۔ پرچہ ہم کسی کا بھی بند نہیں کر رہے۔ "ریمپر" پر دی گئی، کمپیوٹر کی ہدایات کا نوٹس لے کر ممنون فرمائیں۔

آپ کی اطلاع کے لئے

۱۔ زرِ شرکت، پاکستان کے لئے _____ ۱۲۰ روپے

" ایشیا، افریقہ اور یورپ کے لئے _____ ۱۸ ڈالر یا ۵۴۰ روپے

" آسٹریلیا، کینیڈا، امریکہ کے لئے _____ ۲۰ ڈالر یا ۶۰۰ روپے

زرِ شرکت بذریعہ چیک بھجوانے کی صورت میں ۲۰ روپے کا اضافہ فرما لیجئے۔

۲۔ ادارہ کے اکاؤنٹ ۵۴ - ۳۹۷۲ حبیب بنک لمیٹڈ (مین گلبرگ برانچ) لاہور میں ادارہ کے نام رقوم بھجوا کر ادارہ میں ذاتی حساب کھاتہ بھی کھلوایا جا سکتا ہے۔ کھاتہ داروں کے پرچوں کی تجدید، خریداروں کے ادارہ میں موجود کھاتوں سے کر دی جاتی ہے۔ اپنے کھاتہ سے وہ مطلوبہ کتب بھی خرید سکتے ہیں۔

ناظمِ ادارہ طلوعِ اسلام

طلوعِ اسلام ایک دینی پرچہ ہے

خرید کر پڑھئے۔ دوسروں کو اس پر آمادہ کیجئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

"گمراہی غلامی کی بدترین صورت ہے ——— اگر آزاد ہونے کے بعد بھی صحیح راستے کا پتہ نہ چلے اور اگر چلے لیکن اس پر چلنے کی ہمت نہ ہو تو یہ صورت غلامی سے بدرجہا بدتر ہوتی ہے۔"

مختار مسعود کی کتاب "سفر نصیب" میں جب ہم نے یہ پڑھا، تو ہم چونک پڑے، ہم سوچ میں پڑ گئے۔ پاکستان میں متحارب گروہ ایک دوسرے کو مختلف مواقع پہ غداری کے طعنے بار بار دیتے رہتے ہیں اور اس سے مقصد محض سیاسی فائدہ اٹھانا ہوتا ہے، یہ محض الزام تراشی ہوتی ہے بلا ثبوت کے ——— اور مزے کی بات یہ ہے کہ جن کے خلاف یہ الزام لگائے جاتے ہیں وہ بھی اسے سرسری سی، وقتی سی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ جوابی الزام تراشی پہ اتر آتے ہیں ——— کوئی بھی ثبوت کے ساتھ بات نہیں کرتا'

دراصل یہ سارے گروہ تاریکی کے مسافر ہیں، اندھیرے میں جو سایہ بھی نظر آتا ہے، جو آہٹ بھی سنائی دیتی ہے انہیں چونکا دیتی ہے اور وہ بلبلا اٹھتے ہیں۔

دیکھا جائے تو ہم سب اندھیرے ہی کے مسافر ہیں، کولہو کے بیل کی طرح آنکھوں پہ مفادات کی عینکیں چڑھائے دائروں میں سفر کر رہے ہیں۔ اس بیل ہی کی طرح دن بھر کی تھکا دینے والی مسافت کے بعد خود کو وہیں کا وہیں پاتے ہیں جہاں صبح کے وقت تھے ———

جب ہم آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے، تو ان لوگوں کے نزدیک جو ہمارے راہبر تھے صرف انگریز کی غلامی یا بدیسی تسلط سے رہائی ہی منزلِ مقصود نہ تھی، پاکستان سے مراد اپنی حکومت کے لئے ایک خطۂ زمین حاصل کرنا ہی نہ تھا، قومیت کے ایک نئے تصور کی بنا پر ایک نئے معاشرے، نئی حکومت کی تشکیل اور قیام تھا۔ خطۂ زمین کا حصول ایک خواب کو حقیقت کا روپ دینے، ایک آئیڈیل کو ٹھوس وجود میں ڈھالنے کی کوشش تھی' ———

آج کس کس کو یاد دلائیں، اب تو خیر سے ایسے لوگ بھی پاکستان سے خیر خواہی کے دعویدار بنے بیٹھے ہیں جو ساری عمر قائدِ اعظمؒ

کی مخالفت کرتے رہے، دو قومی نظریے کی نفی میں پیش پیش تھے، نسلی قومیت کے دعویدار ہونے کے ناطے مجوزہ پاکستان کے ایک خطے کو علیحدہ مملکت بنانے پہ تلے بیٹھے تھے، مولانا حضرات کی اکثریت پاکستان کی مخالف تھی، ان میں سے چند ہی قائداعظمؒ کے ساتھی تھے ——— آج جس کو پوچھو یہی دعوے کرتا نظر آتا ہے کہ ہم نے اس مملکت کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں، ہم اس جدوجہد میں شریک تھے ——— کراچی سے شائع ہونے والے ایک ماہنامے میں ہمیں یہ دیکھ کر مایوسی بھی ہوئی اور تعجب بھی ——— اس لئے کہ ہم اسے ایک روشن خیال اور باخبر لوگوں کے نقطۂ نظر کا ترجمان سمجھتے تھے ———

ماہنامہ الفخر کراچی اپنے نومبر ۹۳ء کے شمارے میں فکر و نظر کے عنوان کے تحت علماء دین کے سیاسی کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ

> "تحریکِ پاکستان کے دور میں انہوں نے ایک ایسے شخص کو قائداعظم تسلیم کر لیا جو کم از کم ایک اسلامی ریاست کے چلانے کا قطعاً اہل نہ تھا اور نہ اس کو اس بارے میں کوئی شعور اور علم تھا۔

اس لئے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ ایک بار پھر قائداعظمؒ کے چند ارشادات دہرا دیں تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قافلہ سالار کی نظر اسلام کے ابدی پیغام اور اس معاشرے کے متعلق جو اسلام وجود میں لانا چاہتا ہے کس قدر گہری اور واضح تھی۔

۱۹۴۰ء کے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں جس میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی، تقریر کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا۔

> "میرے لئے یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ آخر ہمارے ہندو بھائی اسلام اور ہندو مت کی حقیقت اور اہمیت کو سمجھنے سے کیوں گریز کر رہے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ یہ دونوں مذہب نہیں بلکہ ایک دوسرے سے مختلف معاشرتی نظام ہیں اور اس بنا پر متحدہ قومیت ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا، یاد رکھئے، ہندو اور مسلمان زندگی کے ہر معاملے میں جداگانہ فلسفے رکھتے ہیں جن کی بنیادیں متضاد تصورات پر ہیں، دو ایسی قوموں کو ایک نظامِ سلطنت میں یکجا کر دینا باہمی مناقشت کو بڑھائے گا اور بالآخر اس نظام کو پاش پاش کر دے گا جو اس ملک کی حکومت کے لئے وضع کیا گیا تھا۔"

۱۹۴۵ء میں فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس کے نام ایک پیغام میں انہوں نے فرمایا۔

"پاکستان سے مطلب یہ نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں، اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔

ہم نے صرف آزادی حاصل نہیں کرنی ہم نے اس قابل بھی بننا ہے کہ ہم اس کی حفاظت بھی کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔"

اور ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء ایڈورڈ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔

"ہم دونوں میں صرف مذہب کا فرق نہیں، ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے، ہمارا دین ہمیں ایک ضابطۂ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے، ہم اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں ــــ"

سنئے ہماری وجۂ جامعیت کے متعلق وہ کس قدر واضح نقطۂ نظر رکھتے تھے۔

۱۹۴۳ء کے اجلاس میں فرمایا:

"وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں، وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے، وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے ــــ

وہ بندھن، وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتابِ عظیم قرآن کریم ہے ــــ ایک خدا، ایک رسولؐ، ایک کتاب، ایک امت!"

کیا اس اعلان کے بعد بھی اس شخص کی ژرف نگاہی کا کوئی اور ثبوت چاہیئے۔ صرف ایک اور اقتباس قائدِ اعظم مخالف گروہ کی آنکھیں کھولنے کے لئے پیشِ خدمت ہے اور یہ اقتباس طلوعِ اسلام نے بارہا پیش کیا ہے، یہ سعادت اور کسی کے حصے میں نہیں آئی۔

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ قرآنِ کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں، اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے ــــ اور پاکستان کی وجۂ جواز سنئے۔

اور حکمرانی کے لئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔"

یہی واضح اعلان دراصل بزعمِ خود علماء کے گروہ کو گراں گزرتا ہے ــــ جہاں قرآن کی حکمرانی ہوگی وہاں مذہبی پیشوائیت

پنپ نہیں سکتی۔ یہ خدائے واحد کی حکمرانی ہوگی، ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک امت، وحدانیت کے اس تصوّر پہ غور کیجئے، فرقوں میں بٹی ہوئی امت کو آپ ایک امت کیسے کہہ سکتے ہیں اور ان حضرات کا لنگر تو اپنے اپنے فرقے کا الگ الگ لنگر ہے جس سے یہ بندھے ہوئے ہیں ـــــ یہ تو پریشاں نظری کا شکار ہیں،

امت تو بقول اقبالؒ

ہزاراں چشم بودن یک نگاہ

کی تفسیر ہوتی ہے۔

فرقوں سے یہ وابستگی ہی دراصل ان حضرات کو قائداعظم سے الرجک کر دیتی ہے، اسی کی وجہ سے ان کو قائداعظم سے چڑ ہے۔۔

قائداعظمؒ کی اور بھی بہت سی تقاریر اور بیانات ہیں جو اس مسئلہ پر ان کے نقطۂ نظر پر روشنی ڈالتے ہیں ـــــ خدا ہمیں توفیق دے تو کبھی تفصیل سے قائداعظمؒ کے فرمودات پہ تعصّب سے دامن بچا کر، کھلے دل سے غور کریں ـــــ اگر ان کے دلوں پہ تالے پڑ چکے ہیں، ان کی سوچ زنگ آلود ہے، تو ہم نئی نسل کو قائد کے خیالات سے آگاہی کی طرف دعوت دیتے ہیں، وہ کھلے دل سے کھلے ذہن سے انہیں پڑھیں اور پھر سوچیں،

یہاں ہم ہیورلے نکولس (VERDICT OF INDIA کے مصنف) کا یہ قول دہرانا مناسب سمجھتے ہیں کہ

"اگر پاکستان کی نئی نسل کے دل میں پاکستان کی محبت کم ہو رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جناحؒ سے واقف نہیں"

یہ تو رہی ایک غلط فہمی کے ازالے کی بات ـــــ یہ سب کہنے والے اگر بے خبر نہیں تو یقیناً گمراہی کے مارے لوگ ہیں، دراصل ہمارے ہاں مسلمانانِ برصغیر کے مسلمانوں کو ایک الگ آزاد مملکت کا احساس اور جواز دینے والے مفکّر اور فلسفی علامہ اقبالؒ اور اس تصوّر کو اپنی بے مثال قابلیت اور بے داغ کردار کی بدولت کامیابی سے ہمکنار کرنیوالے رہنما قائداعظم محمد علی جناحؒ کے خیالات کو نئی نسل تک پہنچانے کا کوئی اہتمام ہی نہیں کیا گیا، ان کے سامنے اس مملکت کی وجہ جواز "دو قومی نظریہ" کو اس کے اصل تناظر میں پیش کیا گیا، وہی مغربی طرزِ جمہوریت، وہی سرمایہ دارانہ جاگیردارانہ نظام، وہی طبقاتی اونچ نیچ، وہی برادری ازم، وہی فرقہ واریت ـــــ جب یہ حالات ہیں تو اگر نئی نسل کا کوئی شخص اس مملکت کی وجہ جواز کو چیلنج کر دیتا ہے تو وہ ایک حد تک قابلِ معافی ہو سکتا ہے، اگر کوئی ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کی حالتِ زار کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ان کی ساری تکالیف کو قیامِ پاکستان کے سر تھوپ دے اسے مسلمانوں کی تقسیم کا نام دے کر مسلمانوں کو کمزور کر دینے کا باعث قرار دے تو آپ اسے کیا کہہ کر مطمئن کریں گے۔

قیامِ پاکستان کو اسلامیانِ ہند کے تمام مسلمانوں کے مسائل کا حل کہا گیا تھا ـــــ ورنہ ان علاقوں کے

مسلمانوں نے جنہیں معلوم تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں پاکستان کے دائرے میں نہ آئیں گے کیا پڑی تھی کہ اس کے لئے آواز اٹھاتے، اس جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ـــــ

پاکستان کا تصوّر دینے والے نے مسلمانوں کی آزاد مملکت کے قیام کو برصغیر کی قوموں کے درمیان (INTERNAL BALANCE OF POWER) کا نام دیا تھا،

قائداعظمؒ کا مطالبۂ پاکستان پنجاب، سندھ، بلوچستان، سرحد پر مشتمل ایک بازو اور بنگال اور آسام پر مشتمل دوسرے بازو اور ان دونوں کو ملاتی ہوئی ایک زمینی پٹی پر مشتمل تھا ـــــ پنجاب اور بنگال کو تقسیم کرنے کے لئے مسلمان اکثریت کے علاقوں کی نشاندہی کے لئے جو باؤنڈری کمیشن قائم کیا گیا، اس نے مسلمانوں سے جو ناانصافی کی اس کے متعلق قائداعظمؒ کا ایک بیان سامنے آتا ہے جو بڑا اہم ہے، وہ بیان کچھ یوں ہے۔

"ہندوستان کی تقسیم کا کام ختم ہوچکا، ہم جانتے ہیں کہ اس عظیم اسلامی مملکت سے کیسی کیسی بے انصافیاں اور زیادتیاں روا رکھی گئیں، ہمارے علاقے کو جس قدر کم کیا جاسکتا تھا کر دیا گیا، تازہ ترین چرکہ باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ ہے، یہ فیصلہ نہ صرف غیر منصفانہ ہے بلکہ بدنیتی پر مبنی ہے، اسے قانونی فیصلہ نہیں کہا جاسکتا، یہ سیاسی فیصلہ ہے۔ ہم اسے ماننے سے روگردانی نہیں کریں گے کیونکہ ہم نے باعزت اور ذمہ دار لوگوں کی طرح اسے ماننے کا وعدہ کیا تھا، ہم وعدے کے پابند ہیں، یہ ہماری بدقسمتی سہی مگر ہم اس وار کو بھی ہمت، حوصلے اور پُرامید ہوتے ہوئے قبول کریں گے۔"

اور پھر جو لوگ اس زمانے کی سیاست سے واقف ہیں انہیں قائداعظمؒ کا وہ بیان بھی یاد ہوگا جس میں انہوں نے پُرامن تبادلہ آبادی (PEACEFUL TRANSFER OF POPULATION) کا ذکر کیا ہے ـــــ

ان سب باتوں کو اگر نظرانداز کر بھی دیں، جو کچھ پاکستان کے نام پر ملا تھا اسے ہم اقبالؒ کے تصوّر اور قائداعظمؒ کے فرمودات کی روشنی میں استوار کرتے، یہاں وہ معاشرہ قائم کرتے جو وہ چاہتے تھے تو یہاں نہ فرقہ بازی ہوتی، نہ صوبہ پرستی، نہ نسلی منافرت، نہ برادری ازم ہوتا، نہ کوئی اونچ نیچ ہوتی، یہاں سے جاگیرداری ختم ہوچکی ہوتی، یہاں مساوات پر مبنی بھائی چارے پر مبنی ایک ایسی قوم بستی جو شبانہ روز محنت کرتی، علم و دانش، سائنس کی دنیا میں دوسری قوموں کی ہم پلّہ ہی نہیں بلکہ سب سے بڑھ کر ہوتی اور اپنی اس برتری کی بنا پر اقوامِ عالم میں ایک ممتاز مقام کی حامل ہوتی، اسے میلے ڈلنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا، مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے دو بازو شہباز کے پروں کی طرح بھارت کے مسلمانوں پر سایہ کئے رہتے، ان کی طرف بڑھتے ہوئے قدم اور اٹھتے ہوئے ہاتھ ہی نہیں ان کے خلاف دل میں کدورت پالنے والوں کے دل پاکستان کی عسکری قوت سے دہل جاتے، اُٹھے ہوئے ہاتھ سمٹ جاتے اور بڑھتے ہوئے قدم رُک جاتے ـــــ

کیونکہ اس پاکستان کی محض افواج ہی نہیں، کروڑوں انسان ظلم کے خلاف جذبۂ جہاد سے سرشار ہوتے ـــــ اور کروڑوں جذبۂ شہادت سے سرشار اور شہادت کے متمنّی لوگوں کا سامنا کوئی نہیں کر سکتا ـــــ اب بھی جبکہ پاکستان دو لخت ہو چکا ہے عزّت سے جینے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ مساوات پر مبنی معاشرہ قائم کیا جائے، مساوات کے بغیر اخوّت ایک خواب ہے، جس معاشرے میں اونچ نیچ ہو، طبقاتی تفریق ہو، استحصال ہو وہاں مودّت، اخوّت اور دلوں میں قربت ممکن ہی نہیں ـــــ جب مفادات کا ٹکراؤ ہو گا تو یگانگت اور محبّت کیسی؟ ان معاشروں میں اس لئے عام آبادی کو جذبۂ جہاد کے تحت مسلّح نہیں کیا جا سکتا، عسکری تربیت نہیں دی جا سکتی، سرمایہ دار طبقہ غریبوں کے ردّعمل سے خائف ہوتا ہے اور اپنے اثر و رسوخ سے اپنے تحفّظ کے لئے قانون کا سہارا لیتا ہے، ایسے معاشرے میں قانون ہمیشہ بااثر سرمایہ دار طبقوں کا محافظ ہوتا ہے اور غریب انصاف کے لئے ترستا ہے ـــــ ایسا ظلم پر مبنی معاشرہ کیسے پنپ سکتا ہے۔

صحیح راستے کی نشاندہی ہم نے کر دی ہے، اس پر چلنے کے لئے ہمت درکار ہے، کون ہے جو اس ہمت پیش قدمی کرے ـــــ اگر ایسا نہ ہوا تو بے یقینی سے مختلف سمتوں میں اٹھتے ہوئے قدم امّت کے قافلے کو منتشر کرنے کا باعث بنتے رہیں گے، منزل نگاہوں سے اوجھل ہی رہے گی، اور یہ صورت غلامی کی بدتر صورت ہی کہلائے گی کہ

غلامی سے بدتر ہے بے یقینی

گوہرہائے تابدار

- صحت کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ آدمی ہر دن کو سال کا بہترین دن سمجھے۔
- فرائض کی ادائیگی ہی حقوق کے تحفّظ کی ضمانت ہے۔
- وہ جسے الفاظ کی قدر و قیمت کا علم نہیں وہ انسانوں کو کبھی نہیں جان سکتا۔
- جب ہم دوسروں سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں تو اپنے ساتھ بہترین برتاؤ کرتے ہیں۔
- جو علم میں آتا رہتا ہے وہی دماغ میں محفوظ رہتا ہے۔

(مرتبہ ثریا عندلیب)

باسمہٖ تعالیٰ

علامہ غلام احمد پرویزؒ

اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں

عصرِ حاضر کا ایک ماہر سیاسیات، پروفیسر مینکن (H. J. MENCKEN) دنیا کی سیاسی تاریخ کا جائزہ لینے کے بعد بصد حسرت و یاس اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ

"تمام ناکامیوں میں سب سے بڑی ناکامی خود انسان کی ہے۔ اس انسان کی جو سب سے زیادہ مدنی الطبع اور سب سے زیادہ عقل مند ہے۔ اور وہ ناکامی یہ ہے کہ یہ اپنے لئے آج تک کوئی ایسا نظام وضع نہیں کر سکا جسے دُور سے بھی اچھی حکومت کہا جا سکے۔ اس نے اس باب میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں۔ بہت سی ایسی جو فی الواقعہ محیر العقول ہیں اور بہت سی ایسی جو بڑی جرأت آزما ہیں، لیکن جب ان کے عملی نفاذ کا وقت آیا تو نتیجہ حسرت و یاس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ نظری طور پر حکومت کا خاکہ کھینچ لینا اور بات ہے اور عملی طور پر اسے نافذ کرنا اور بات۔ نظری طور پر حکومت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ افرادِ مملکت کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کا ذریعہ ہے اور اربابِ حکومت پبلک کے خادم ہیں، لیکن جب حکومت کو عملاً قائم کیا جاتا ہے تو اس کا مقصد عوام کی خدمت کے بجائے انہیں لوٹنا کھسوٹنا ہو جاتا ہے"۔

(TREATISE OF RIGHT AND WRONG)

اس مؤرخ نے بے شک اقوامِ عالم کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہوگا لیکن نظر آتا ہے کہ تاریخ کا ایک باب یا تو اس کی نگاہوں سے اوجھل رہا اور یا اس نے اسے عمداً نظر انداز کر دیا۔ اس لئے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ باب ایک غیر جانبدار مؤرخ کے سامنے آئے اور وہ انسان کی اس کامیابی کا تذکرہ نہ کرے جس کی رُو سے اس نے دنیا کو بتا دیا کہ ایک ایسا نظام قائم کیا جا سکتا ہے جس میں حکومت کا فریضہ عوام کے خدام کی حیثیت سے ان کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنا ہو اور یہ فریضہ محض نظری طور پر اس کے

[illegible] سے عملاً پورا کر کے دکھا دے۔ یہ نظام قائم ہوا تھا آج سے قریب چودہ سو سال پہلے، محمدؐ [illegible] کے انسانیت ساز ہاتھوں سے جس سے دنیا نے دیکھ لیا تھا کہ انسان اگر وحی کی راہ نمائی میں اپنا [illegible] کس طرح اس کی ناکامیاں، کامیابیوں میں بدل جاتی ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ زمانی اعتبار سے [illegible] مختصر تھی۔ لیکن جہاں تک اثر انگیزی کا تعلق ہے دنیا کی کوئی تاریخ بھی اس کے تذکرہ کے بغیر مکمل [illegible] کے متعدد گوشے ہیں جن میں ہر گوشہ اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ جو حکومت مستقل اقدار [illegible] پر قائم ہوتی ہے اس کا ہر قدم کس طرح تعمیرِ انسانیت کے لئے اٹھتا ہے، لیکن چونکہ پروفیسر مینکن نے [illegible] اہمیت اس گوشے کو دی ہے جس کا تعلق عوام کی بنیادی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے سے ہے۔ اور [illegible] میں معاشیات نے خاص اہمیت حاصل کر لی ہے۔ اسے تو کہا ہی عہدِ اقتصادیات (AGE OF EC[illegible]CS) جاتا ہے اور کسی نظام کے حسن و قبح کے ماپنے کا پیمانہ ہی یہ قرار پا گیا ہے [illegible] کا حل کیا پیش کرتا ہے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ عید میلاد النبیؐ کی اس [illegible] اس گوشے کو سامنے لاؤں۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ اسلامی حکومت کے سربراہ [illegible] کیا ہوتی ہیں اور انہیں پورا کرنے کے لئے وہ کس طرح اپنی زندگی کو بطور نمونہ پیش کرتا ہے۔ اصل یہ ہے [illegible] نتائج پیدا نہیں کر سکتی جب تک اس کے سربراہ ان اصولوں پر خود عمل کر کے نہ دکھائیں جنہیں [illegible] قرار دیا جاتا ہو۔

اسلامی حکومت کا بنیادی اصول

اسلامی حکومت کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (۱۱/۶)

روئے زمین پر کوئی ذی حیات ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر نہ ہو۔

اسلامی حکومت جو خدا کے نام پر لوگوں سے اطاعت لیتی ہے، خدا کی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کا عہد کرتی ہے [illegible] وہ افرادِ مملکت سے پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتی ہے:

نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ (۶/۱۵۲)

ہم تمہاری ضروریاتِ زندگی کے بھی ذمہ دار ہیں اور تمہاری اولاد کی ضروریات کے بھی۔

وہ ان میں سے ہر فرد کو اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ

اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی ۙ وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا

وَ لَا تَضْحٰی ـــ (۱۱۹-۱۱۸/۲۰)

ہم ایسا جنتی معاشرہ متشکل کریں گے جس میں تمہیں نہ بھوک کی پریشانی ہوگی نہ لباس کی
نہ پیاس کی تکلیف ہوگی، نہ سردی گرمی سے بچنے کی، اس میں روٹی، کپڑا اور مکان وغیرہ تمام
افراد کو میسر ہوگا۔ اس کی ذمہ داری ہمارے سر پر ہوگی۔

آپ غور کیجئے یہ کتنی عظیم ذمہ داری ہے جسے یہ مملکت اپنے سر لیتی ہے۔ اس کے بعد یہ دیکھئے کہ اس گراں بار ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اس مملکت کا سربراہ، اپنی زندگی کس قسم کی بسر کرتا ہے۔ اس مملکت کے سب سے پہلے سربراہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

حضورؐ کی مکی زندگی

آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے دو ادوار ہیں۔ ایک مکی زندگی دوسری مدنی۔ مکی زندگی میں یہ مملکت قائم نہیں ہوئی تھی لیکن حضورؐ اس جماعت کی تشکیل و ترتیب میں مصروف تھے جس کی رفاقت سے یہ مملکت قائم ہوئی تھی۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ آپؐ کی مکی زندگی بڑی عُسرت اور تنگدستی کی تھی۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ خدا نے حضورؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ؕ (۹۳/۸) "ہم نے تجھے تنگ دست پایا تو غنی کر دیا۔" اس سے ظاہر ہے کہ حضورؐ کی وہ زندگی ایک "غنی" کی زندگی تھی۔ یعنی ایسی زندگی جس میں آپؐ کو اپنی ضروریات کیلئے کسی کا محتاج نہیں ہونا پڑتا تھا۔ لیکن وہاں جماعت کے افراد کی ذمہ داریاں بہت زیادہ تھیں۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے سلسلے میں اس وقت حضورؐ کا اسلوب کیا تھا۔ اس کا اندازہ صحیحین کی اس روایت سے لگ سکتا ہے جس میں کہا گیا ہے:

"حضرت ابو موسٰے اشعریؓ سے روایت ہے کہ اشعر قبیلہ والوں کے ہاں دستور یہ تھا کہ
جب کسی جنگ میں ان کے ہاں کھانا تھوڑا رہ جاتا یا ان کے ہاں بال بچوں پر دیسے فاقہ کی
نوبت آجاتی تو یہ لوگ اپنے اپنے کھانے کی چیزوں کو ایک جگہ جمع کر لیتے اور ایک برتن میں برابر
حصے لگا کر آپس میں تقسیم کر لیتے۔"

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔"

اس سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں حضورؐ اور جماعتِ مومنین کا اندازِ زیست ایسا تھا کہ اپنی اپنی ضروریات کی چیزوں کو سب اکٹھا کر لیتے تھے اور پھر اس میں سے حصہ رسدی لے لیتے تھے۔ چونکہ اس وقت جماعت میں اکثریت محتاجوں اور ناداروں کی تھی، اس لئے ظاہر ہے کہ اس مساواتی تقسیم میں ہر ایک کے حصے میں کس قدر آتا ہوگا؟ جو کچھ دوسروں کے حصے میں آتا ہوگا، وہی کچھ حضورؐ کے حصے میں آتا ہوگا، بلکہ اس سے بھی کم۔ اس لئے کہ قرآنِ کریم نے مومنین کا اندازِ زیست

یہ بھی تو بتایا ہے کہ

يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (۵۹/۹)

وہ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں خود تنگی میں ہی گزارا کرنا پڑے۔

اور حضورؐ سب سے پہلے اس پر عمل پیرا ہوتے ہوں گے۔

مدنی زندگی

حضورؐ کی مدنی زندگی میں ایک مملکت وجود میں آگئی۔ آپؐ قریب دس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی سلطنت کے سربراہ تھے۔ مولانا شبلی (مرحوم) کے الفاظ میں:۔

"یہ وہ زمانہ تھا جب تمام عرب، حدودِ شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا تھا اور مدینہ کی سرزمین میں زر و سیم کا سیلاب آچکا تھا۔" (سیرت النبیؐ، جلد اوّل، صفحہ ۳۴۹-۵۲)

لیکن اس کے باوجود آپؐ نے جس انداز کی زندگی بسر کی اس کے متعلق کتب و سیر میں ہے کہ

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ کا کوئی کپڑا تہ کر کے نہیں رکھا گیا۔ صرف ایک جوڑا ہوتا تھا، دوسرا نہیں ہوتا تھا جو تہ کر کے رکھا جاتا۔ جن کپڑوں میں آپؐ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔" (ایضاً)

اس پر لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اس قدر وسیع علاقہ آپؐ کے زیرِ نگیں تھا، اتنی بڑی سلطنت کے آپؐ سربراہ تھے۔

عُسرت کی زندگی کیوں؟

مدینہ میں سیم و زر کا سیلاب آچکا تھا تو پھر آپؐ اس قدر عسرت کی زندگی کیوں بسر کرتے تھے؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ مملکت کے وجود میں آجانے سے حضورؐ کی ذمہ داریوں میں بھی تو اسی نسبت سے اضافہ ہو گیا تھا۔ ملک میں خوشحال لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔ باقی سب مفلوک الحال، ضرورتمند، مفلس اور نادار تھے جن کی کفالت مملکت کے ذمے تھی۔

دنیا کی عام مملکتوں میں رئیسِ مملکت یا دیگر اربابِ حکومت کے اخراجات کے لئے سب سے پہلے رقم الگ کر لی جاتی ہے اور جو باقی بچتا ہے اس میں سے دیگر مدّات پر صرف کیا جاتا ہے۔ لیکن اسلامی مملکت میں صورت اس کے بالکل ہوتی ہے۔ اس میں سربراہِ مملکت اپنی ضروریات کو سب سے مؤخر رکھتا ہے۔ وہ اس وقت کھاتا ہے جب سب کھا چکتے ہیں۔ وہ اس وقت پہنتا ہے جب سب پہن چکتے ہیں۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ

سربراہ سب سے پیچھے

"حضورؐ نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنا دے اور وہ لوگوں کی ضروریات اور احتیاجات سے لاپرواہی برتے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور احتیاجات کی طرف سے لاپرواہی برتے گا۔" (ابوداؤد۔ کتاب الخراج)

یہی روایت ترمذی میں ان الفاظ میں آئی ہے۔

"حضورؐ نے فرمایا جو امام ضرورتمندوں، محتاجوں اور مسکینوں پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور احتیاجات کے لئے آسمان کے دروازے بند کر دیتا ہے۔"
(ترمذی۔ کتاب الاحکام)

اس تفصیل کو حضورؐ نے چند الفاظ میں سمٹا کر یوں بیان فرمایا کہ

"جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا، اس بستی سے اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور حفاظت کا ذمہ ختم ہو گیا۔" (مسند امام)

کوئی فرد تنہا نہ رہنے پائے

مملکت کا فریضہ ہے کہ وہ کسی فرد کو محسوس تک نہ ہونے دے کہ وہ تنہا یا لاوارث ہے۔ اس لئے حضورؐ نے فرمایا کہ

"جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور رسولؐ ہے۔"
(ترمذی۔ باب الفرائض)

حتیٰ کہ اگر کوئی شخص ایسی حالت میں وفات پا جائے کہ اس پر کسی کا قرض ہو اور وہ تنگدستی کی وجہ سے اس قرض کو ادا نہ کر سکا ہو تو اس کے قرض کی ادائیگی بھی مملکت کے ذمہ ہو گی۔ حضورؐ نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ

"میں مسلمانوں سے ان کے اپنے افراد کی نسبت زیادہ قریب ہوں۔ سو ان میں سے جو مقروض وفات پا جائے تو اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمے ہے۔" (ابوعبید۔ کتاب الاموال)

مملکت کی یہ ذمہ داریاں، صرف انسانوں تک محدود نہیں۔ چونکہ قرآن کریم نے کہا ہے کہ "زمین پر کوئی ذی حیات ایسا نہیں، جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو۔" اس لئے اسلامی مملکت کے

ہر متنفس کے رزق کی ذمہ داری

حدود میں رہنے والے ہر متنفس کی ذمہ داری مملکت پر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے جو اسلامی مملکت کے تیسرے سربراہ اور حضورؐ کے جانشین تھے، فرمایا تھا۔

"اگر دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر جائے تو عمرؓ سے اس کی بھی باز پرس ہو گی۔"
(توفیق الرحمٰن)

حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسلامی مملکت کا رقبہ ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل تک پھیل چکا تھا اور ایک عراق کی

مال گذاری ساڑھے گیارہ کروڑ درہم تھی۔ لیکن اسی نسبت سے افرادِ مملکت کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا تھا اور مملکت کی ذمہ داریاں بھی بڑھ گئی تھیں۔ افرادِ مملکت کے رزق کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وسائل پیداوار مملکت کی تحویل میں رہیں۔ وسائل پیداوار میں بنیادی حیثیت زمین کو حاصل ہے اور قرآن کریم کی رُو سے زمین پر کسی کی ذاتی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا اعلان ہے کہ اَلْاَرْضُ لِلّٰہِ۔ "زمین اللہ کی ہے"۔ اس پر کسی انسان کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ اسے سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ (۴۱/۱۰) ہر ضرورتمند کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کھلا رہنا چاہیئے۔ اس کی تشریح میں حضورؐ نبی اکرمؐ نے اعلان فرمایا کہ

"زمین اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے ہیں۔ اس لئے اللہ کی زمین اللہ کے بندوں کے لئے کھلی رہنی چاہیئے"۔ (ابوداؤد)

اس اعلانِ عظیم کا نتیجہ تھا کہ زمین کی ذاتی ملکیتیں ختم ہو گئیں اور زمیندار اور مزارع کی کوئی تفریق نہ رہی۔ آجکل ہمارے ہاں سود کی بحث نے بڑی اہمیت حاصل کر رکھی ہے۔ لیکن یہ بحثیں بنک کے سود تک محدود ہیں۔ یہ بات کوئی نہیں بتلاتا کہ حضور نبی اکرمؐ نے زمین کی بٹائی (مزارعت) کے معاملہ کو بھی سودی کاروبار قرار دیا ہے۔ حضرت ابن ابی نعیمؓ کی روایت ہے:۔

"(حضرت) رافع بن خدیجؓ نے ایک زمین کاشت پر لی۔ وہ اس کی آبیاری کر رہے تھے کہ حضورؐ ادھر سے گزرے اور پوچھا کہ یہ کھیتی کس کی ہے اور زمین کس؟ رافعؓ نے کہا کہ یہ کھیتی میرے بیج اور محنت کا نتیجہ ہے۔ اس کا ایک حصہ میرا ہوگا اور ایک حصہ فلاں خاندان کا جس کی یہ زمین ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم دونوں سودی کاروبار کر رہے ہو۔ لہٰذا زمین صاحبِ زمین کو واپس کر دو۔ اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے اسے اس سے وصول کر لو"۔

(ابوداؤد)

ایک اور روایت میں اس اصول کی تشریح ان الفاظ میں آئی ہے:۔

"رسولؐ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا زمین کا مالک کاشتکار سے تھوڑا بہت اناج بھی نہیں لے سکتا؟ فرمایا نہیں۔ پھر سوال کیا گیا اچھا غلہ نہ سہی بھوسہ تو لے سکتا ہے؟ فرمایا بالکل نہیں"۔ (نسائی)

اس لئے کہ جب زمین پر کسی کی ذاتی ملکیت ہو ہی نہیں سکتی تو حقِ ملکیت کیسا؟ زمین خدا کی اور اس میں پیداوار کے تمام اسباب و عناصر بھی اس کے عطا کردہ۔ پھر "خود ساختہ" مالک کس بات کا معاوضہ لیتا ہے؟ اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟ کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟

کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار — خاک یہ کس کی ہے، کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب — موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟
وہ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں، میری نہیں!
تیرے آبا کی نہیں، میری نہیں، تیری نہیں!

"زمین کے مالک اور مزارع" کا سوال تو ایک طرف رہا، وہ حضرات اس باب میں اس قدر محتاط تھے کہ حضرت عمرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ کا بیان ہے کہ "میں نے کچھ اونٹ خریدے اور انہیں سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا۔ وہ فربہ ہو گئے تو انہیں بازار میں فروخت کرنے کے لئے لے آیا۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ کا گزر اس طرف سے ہوا۔ انہوں نے پوچھا کہ ایسے فربہ اونٹ کس کے ہیں؟ میں نے جواب دیا تو پوچھا کہ یہ ایسے موٹے تازے کس طرح ہو گئے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں نے انہیں سرکاری چراگاہ میں بھیجدیا تھا تاکہ جو فائدہ دوسرے مسلمان اٹھاتے ہیں میں بھی اٹھاؤں۔

یہ سُنکر آپؓ کو سخت غصہ آیا اور کہا کہ عام مسلمانوں کا ذکر کیوں کرتے ہو! کہو امیر المومنین کے بیٹے کے اونٹ تھے اس لئے حکومت کی چراگاہ میں بھیج دیئے۔ سنو! اونٹ فروخت کرو اور راس المال رکھ کر منافع بیت المال میں جمع کرادو۔
(شاہکارِ رسالت ص ۳۲۱)

یہ تو خلیفہ کے بیٹے کی بات تھی۔ خود خلیفہ بیت المال میں اپنا حصہ کس قدر سمجھتا تھا، اس کے متعلق جب حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا، تو آپؓ نے فرمایا:۔

خلیفہ کا حصّہ

"کپڑوں کے دو جوڑے، ایک جاڑے کا اور دوسرا گرمی کا، حج اور عمرہ کے لئے ایک احرام اور میرے اور میرے اہل وعیال کے لئے فی کس اتنا کھانا جو قریش کے ایک آدمی کی خوراک ہے، نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم، اس کے بعد میں مسلمانوں کا ایک فرد ہوں، جو انکا حال سو میرا حال"۔ (عمر فاروقؓ ۔ از محمد حسین ہیکل)

وہ فرمایا کرتے تھے کہ

"اللہ کا مال میرے لئے ایسا ہے جیسے کسی یتیم کا مال، ضرورت نہیں ہوتی تو اسے ہاتھ نہیں لگاتا اور حاجتمند ہوتا ہوں تو بقدرِ احتیاج لے لیتا ہوں"۔ (ایضاً)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وظیفہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا فیصلہ اس سے زیادہ ایمان افروز ہے۔ وہ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ منتخب ہوئے تو حضرت عمرؓ نے

ان سے کہا کہ آپ کا سارا وقت ملت کا ہو گیا ہے، آپ اسے اپنی ضروریات کے لئے صرف نہیں کر سکتے۔ اس پر سوال پیدا ہوا کہ پھر خلیفہ اور اس کے اہل و عیال کی ضرورت پوری کرنے کا کیا ذریعہ ہو گا؟ طے ہوا کہ خلیفہ بقدر کفاف بیت المال سے وظیفہ لے سکتا ہے۔ اس فیصلے کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ خلیفہ کا وظیفہ کس قدر ہونا چاہیے۔ مختلف تجاویز پیش ہوئیں، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اس کا فیصلہ وہ خود کریں گے۔

آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے اس کا تعین کس طرح سے کیا؟ انہوں نے کہا کہ دریافت کرو کہ مدینہ میں ایک مزدور کی کم از کم اُجرت کس قدر ہے، جس قدر اس کی اجرت تھی، آپؓ نے اسی قدر اپنا وظیفہ مقرر کیا۔ رفقاء نے کہا کہ اس میں آپ کا گزارہ کس طرح ہو سکے گا؟ فرمایا جس طرح اس مزدور کا گزارہ ہوتا ہے۔ اگر اس میں میرا گزارہ نہیں ہو گا تو میں مزدور کی اُجرت بڑھا دوں گا تاکہ اسی نسبت سے میرے وظیفہ میں اضافہ ہو جائے۔ آپؓ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اصول یہ ہونا چاہیئے کہ خلیفہ کا وظیفہ مملکت کے کم از کم آمدنی والے محنت کش کے برابر ہو تاکہ اسے احساس ہو کہ اس آمدنی میں غریب کس طرح گزارہ کرتے ہیں اور پھر اس احساس کے تابع وہ افرادِ مملکت کی آمدنی میں اضافہ کرنے کی تدابیر اختیار کرے۔" (شاہکارِ رسالت، صفحہ ۲۵۹)

ترکِ دُنیا

اس مقام پر میں اس حقیقت کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ دو جوڑے کپڑے اور روکھا سوکھا کھانا اس لئے نہیں تھا کہ یہ حضرات تارک الدنیا زاہدوں کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ اس قسم کے زہد و تورع کے متعلق ان کا ردِ عمل یہ تھا کہ

"ایک دن حضرت عمرؓ نے کسی زاہد مرتاض کو دیکھا۔ اس کے پاس گئے اور ایک درّہ مار کر بولے:

"خدا تجھے موت دے، ہمارے دین کا کیوں گلا گھونٹتا ہے۔" (ہیکل)

جیسا کہ میں نے اوپر بتایا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنا اصول یہ بنا لیا تھا کہ مملکت کا سربراہ اپنا معیارِ زندگی ایسا رکھے جو اُمت کے ہر فرد کو میسر آ سکتا ہو، جوں جوں امت کے عام معیارِ زندگی کی سطح بلند ہوتی جائے سربراہ مملکت کا معیار بھی اونچا ہوتا چلا جائے، چنانچہ تاریخ میں ہمیں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ ایک دفعہ مصر کا گورنر آیا تو

جَو کی روٹی

حضرت عمرؓ کھانا کھا رہے تھے۔ اس نے دیکھا کہ کھانے میں جَو کی روٹی ہے۔ اس نے کہا کہ اب تو مصر سے کافی مقدار میں گیہوں آ رہا ہے، آپ گیہوں کی روٹی کیوں نہیں کھاتے؟ آپؓ نے فرمایا کہ اس کا مجھے یقین ہے کہ اس وقت مملکت میں ہر فرد کو جَو کی روٹی میسر آ رہی ہے۔ جس دن آپ مجھے اس کا یقین دلا دیں گے کہ ہر فرد کو گیہوں کی روٹی مل رہی ہے، اس دن میں گیہوں کی روٹی کھاؤں گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مملکت میں ایک بھی فرد

ایسا ہو جسے گیہوں کی روٹی میسّر نہ آتی ہو اور سربراہِ مملکت گیہوں کی روٹی کھائے۔ جب آپ سے کہا گیا کہ آپ اس قدر عسرت کی زندگی بسر کر کے اپنے آپ کو مشقت میں کیوں ڈالتے ہیں؟ تو آپ نے اس کا جو جواب دیا وہ اسلامی مملکت کے سربراہ کے احساسِ ذمہ داری کا صحیح آئینہ دار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ

"میں رعایا کی دیکھ بھال کیسے کر سکتا ہوں جب تک مجھ پر وہی کچھ نہ بیتے جو رعایا پر بیتتی ہے۔"

(ہیکل)

جب آذربائیجان کا علاقہ فتح ہوا تو جیوشِ اسلامیہ کے سپہ سالار حضرت عقبہ بن فرقدؓ نے وہاں کی ایک خاص مٹھائی کے دو ٹوکرے امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجے۔ آپ نے مٹھائی کو چکھا تو بہت پسند فرمایا۔ لیکن اسے کھانے سے پہلے قاصد سے پوچھا کہ اس مٹھائی کو وہاں کے تمام سپاہیوں نے کھایا ہے؟ قاصد نے جواب دیا کہ نہیں! یہ تو صرف آپ کے لئے ہے۔ اس پر آپ نے عقبہ کو جو خط لکھا وہ ہمارے پیشِ نظر نکتہ کی بہترین تفسیر ہے۔ آپؓ نے لکھا:-

"اللہ کے بندے، امیر المومنین کی طرف سے عقبہ بن فرقدؓ کے نام! امابعد! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جو کچھ ہمیں اللہ نے عطا کیا ہے وہ نہ تمہاری ذاتی محنت، اور مشقت کا نتیجہ ہے نہ تمہارے ماں باپ کی محنت اور مشقت کا نتیجہ (یہ تمام مسلمانوں کی مشترکہ محنت کا ثمر ہے) اس لئے ہم کوئی چیز ایسی نہیں کھا سکتے جو تمام مسلمانوں کے گھروں میں کافی مقدار میں نہ ہو۔"

(شاہکارِ رسالت)

قادسیہ کی عظیم فتح کی خوشخبری سننے کے بعد آپؓ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، تاریخ کے صفحات پر آج تک سنہری حروف میں درخشندہ ہے۔ آپؓ نے کہا:-

"مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی کسی کو ضرورت مند دیکھوں، اس کی ضرورت پوری کر دوں۔ جب تک ایک دوسرے کی (انفرادی طور پر) مدد کرنے سے ایسا ہو سکے، ہمیں ایسا کرنا چاہیئے۔ جب معاملہ اس سے آگے بڑھ جائے تو ہمیں سب کو مل کر گزر اوقات کرنی چاہیئے۔ یہاں تک کہ سب کا معیارِ زندگی ایک جیسا ہو جائے۔ کاش! تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کس قدر خیال ہے۔ لیکن یہ چیز میرے زبانی سمجھانے کی نہیں، عمل کر کے دکھانے کی ہے۔ خدا کی قسم! میں بادشاہ نہیں کہ تم لوگوں کو اپنا محکوم اور غلام بنا کر رکھوں۔ میں تو خود خدا کا محکوم اور غلام ہوں۔ حکمرانی کی یہ امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔ اب اگر میں اسے اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھ لوں، بلکہ تمہاری چیز تمہاری طرف لوٹا دوں اور تمہارے پیچھے تمہاری خدمت کے لئے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو،

تو یہ وہ سعادت ہو گی جو تمہارے ذریعہ مجھے میسّر آجائے گی. لیکن اگر میں اس امانت کو اپنالوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور اپنے گھر پر آنے کے لئے مجبور کر دوں، تو یہ وہ بدبختی ہو گی جو تمہارے ذریعے میرے سر پر مسلط ہو جائے گی. (خدا مجھے اس سے محفوظ رکھے)

(شاہکارِ رسالت)

یہ تو پھر بھی مٹھائی تھی، جب حجاز میں قحط پڑا تو حالات بڑے نازک ہو گئے تھے اور آپؓ کی ضبطِ خویش اور خود فراموشی کی شدت انتہا تک پہنچ گئی تھی. اسی زمانے کا ذکر ہے کہ ایک دن آپؓ نے دیکھا. آپؓ کا پوتا کنکڑی (یا تربوز) کھا رہا ہے. (حضرت) عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا اور ڈانٹ کر کہا کہ "محمدؐ کی امت بھوکی مر رہی ہے اور عمرؓ کا پوتا پھل کھا رہا ہے؟" بیٹے نے کہا کہ ابا جان! خفا نہ ہو جیئے. عمرؓ کے پوتے کو پھل کسی خصوصی امتیاز کے بنا پر نہیں ملا. صبح کے ناشتے میں بچوں کو جو کھجوریں ملی تھیں، اس نے ایک بدّو لڑکے سے ان کے عوض یہ کنکڑی (یا تربوز) خرید لیا تھا.

عمرؓ کا پوتا پھل کھا رہا ہے

یہ عمرؓ کی پوتی تھی!

ایک دن گلی میں دیکھا کہ ایک بچی جا رہی ہے ــــ زرد رُو، نحیف و نزار ــــ اسے دیکھ کر آپؓ کو بڑا صدمہ ہوا. پوچھا، یہ کس کی بچی ہے؟ بیٹا ساتھ تھا. کہا کہ "یہ امیر المومنین کی پوتی ہے!" فرمایا کہ "اس کی ایسی حالت کیوں ہے؟" کہا کہ "اس قحط میں جو ملتا ہے، بدّوؤں کے بچے تو اس کے عادی ہیں لیکن، ہمارے بچے اس کے عادی نہیں. اس لئے ان کی یہ حالت ہو رہی ہے. فرمایا کہ "جو کچھ بھی ہو، اس عالمگیر مصیبت میں کسی کے ساتھ ترجیحی سلوک نہیں کیا جا سکتا."

ہم نے شروع میں بتایا ہے کہ اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ تمام افرادِ مملکت کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوتی رہیں. اس کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی جاتی تھیں. لیکن احتیاط یہ برتی جاتی تھی کہ کسی شخص کو اپنی ضرورت کے لئے (اور تو اور، خود) خلیفہ کے سامنے بھی ہاتھ نہ پھیلانا پڑے، کیونکہ اس سے صاحبِ احتیاج کی عزتِ نفس کے مجروح ہونے کا اندیشہ تھا. اس حقیقت سے مملکت کا ہر فرد واقف تھا. اور کس حد تک واقف تھا، اس کے لئے ایک ایسا واقعہ سامنے آتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ بھی جب اسے یاد کرتے تھے تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے.

شام کے ویرانے کی بڑھیا

آپؓ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے تو راستے میں ایک خیمہ دیکھا ــــ ویرانے میں ایک خیمہ!

قریب گئے، تو دیکھا کہ اس میں ایک بڑھیا بیٹھی ہے۔ اس سے پوچھا کہ "تمہیں عمرؓ کا بھی کچھ حال معلوم ہے؟" اس نے کہا کہ "سُنا ہے کہ وہ شام سے چل پڑا ہے۔ اس سے زیادہ نہ مجھے اس کی بابت کچھ علم ہے، نہ معلوم کرنے کی ضرورت۔" آپؓ نے پوچھا کہ "ایسا کیوں؟ اس نے کہا کہ "جس نے آج تک یہ معلوم نہیں کیا کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے، میں اس کے حالات معلوم کر کے کیا کروں گی؟" آپؓ نے کہا کہ "تم نے عمرؓ تک اپنی حالت کی اطلاع پہنچائی تھی؟" اس نے کہا کہ "یہ میرا کام نہیں تھا، عمرؓ کا کام تھا۔" آپؓ نے کہا کہ "عمرؓ کو اتنی دُور کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟" اس کے جواب میں اس بڑھیا نے جو کچھ کہا وہ غور سے سننے کے قابل ہے۔ اس نے کہا کہ

"اگر عمرؓ اپنی رعایا کے ہر فرد کے حالات کا علم نہیں رکھتا تو اسے حکومت کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔"

حضرت عمرؓ جب بھی اس واقعہ کو یاد کرتے تو آنکھوں میں آنسو آجاتے اور کہتے کہ خلافت کا مفہوم کیا ہے، مجھے شام کی اس بڑھیا نے بتایا۔ ع

خداوندا! خدائی دردِ سر ہے

اسی کا احساس تھا کہ آپؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ

"اگر میں زندہ رہا تو رعایا کا حال معلوم کرنے کے لئے سال بھر تک مسلسل سفر میں رہونگا۔ کیونکہ دور دراز علاقوں کے لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اور میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے عمّال ان میں سے ہر ایک کی ضروریات سے مجھے آگاہ کرتے ہوں۔ میں شام، جزیرہ، مصر، بحرین، بصرہ جاؤں گا اور ہر مقام پر دو دو ماہ قیام کر کے لوگوں کے حالات براہِ راست معلوم کروں گا۔"

لیکن عمر نے ایفا نہ کی اور اس دَورہ کا موقع ہی نہ ملا۔

اگر یہ پوچھا جائے کہ قرآن کے اس معاشی نظام کی یہ عظیم عمارت کن بنیادوں پر استوار تھی جس کی عالمتاب اور عدیم النظیر مثالیں اس شاہنشاہِ بوریہ نشینؐ اور آپؐ کے رفقاء کرامؓ کی زندگی سے پیش کی گئی ہیں، تو اس کا جواب دو لفظوں میں دیا جا سکتا ہے کہ یہ عمارت عدل و احسان کی بنیادوں پر استوار تھی۔ عدل و احسان کے درخشندہ اصول کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کسی حوض میں چشمہ ابلتا ہے۔ جب حوض بھر جاتا ہے تو اس کا زائد پانی باہر نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ پانی کس طرف جاتا ہے؟ نشیب کی طرف۔ یعنی اس نچلی سطح کی طرف جہاں پانی نہیں ہوتا۔ جب وہ گڑھے بھی بھر جاتے ہیں تو پانی آگے جانا شروع ہو جاتا ہے۔ حوض کا اپنی گنجائش کے مطابق پانی رکھ لینا عدل ہے اور فالتو پانی کو ان گڑھوں کی طرف منتقل کر دینا، جہاں اس کی ضرورت ہے، احسان ہے۔ اس طرح حوض اور اس کے گرد و پیش میں پانی کا (LEVEL) ہموار ہو جاتا ہے۔ یہ ہے اسلام کا معاشی نظام

جس میں امیر اور غریب کے طبقات ختم ہو جاتے ہیں اور انسانیت کی سطح ہموار ہو جاتی ہے. امیر اور غریب کے طبقات، تو زمانہ نزولِ قرآن میں بھی موجود تھے لیکن انہوں نے اس زمانے میں ایسی عالمگیر حیثیت، اختیار نہیں کی تھی جیسی اس دَور میں ہو چکی ہے. بایں ہمہ، حضورؐ کی نگۂ بصیرت نے اس حقیقت کو اس زمانے میں دیکھ لیا تھا کہ اگر یہ خلیج وسیع ہو گئی تو اس سے اس قسم کے خطرات نمودار ہوں گے. اسے حضورؐ نے ایک مثال کے ذریعے سمجھایا. فرمایا:-

"کچھ لوگ ایک کشتی میں سوار ہوئے. اُن میں سے کچھ اُوپر کے حصے میں پہنچ گئے، کچھ نیچے کے حصہ میں. جو نچلے حصہ میں تھے، وہ پانی لینے کے لئے اوپر گئے. اوپر والوں نے انہیں یہ کہہ کر پانی لینے سے روک دیا کہ اس سے انہیں تکلیف ہوتی ہے. نیچے والوں نے کہا، بہت اچھا. ہم نیچے سوراخ کر کے پانی حاصل کر لیں گے. اب اگر ان نیچے والوں کو (پانی دے کر) اس سے روکا نہ گیا تو ظاہر ہے کہ اوپر اور نیچے والے سب غرق ہو جائیں گے. اگر روک دیا گیا تو سب بچ جائیں گے."　　(ترمذی، جلد دوم، ابواب فتن)

حضورؐ نے جس خطرہ سے چودہ سو سال پہلے متنبہ کیا تھا وہ اس دور میں بڑی تیزی سے نمودار ہوتا نظر آ رہا ہے ——

فَهَلْ مِن مُّدَّكِر ؟

(۵)

ہم بات یہ کر رہے تھے کہ قرآن کے معاشی نظام کی عمارت "عدل و احسان" کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے. یعنی ضرورت سے زائد اس طرف لوٹا دیا جائے جس طرف اس کی کمی ہے. قرآنِ کریم نے اس عظیم اصول کو ایک مختصر سی آیت میں سمٹا دیا ہے جب کہا کہ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط (۲/۲۱۹) "اے رسولؐ! یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر دوسروں کی ضروریات کے لئے دے دیں. ان سے کہو کہ جس قدر تمہاری اپنی ضروریات سے زائد ہے، وہ سب کا سب." حوض نے فالتو پانی رکھنا کاہے کے لئے ہے؟ اس نظام میں زائد از ضرورت کسی کے پاس رہتا ہی نہیں. مسلم کی ایک روایت سے اس ارشادِ خداوندی کی عملی تفسیریں سامنے آتی ہے:

"حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ سفر میں تھے. ایک شخص آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا. آپؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس سواری ضرورت سے زائد ہو، وہ اس آدمی کو دے جسے اس کی ضرورت ہو. جس کے پاس زادِ راہ زیادہ ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہ ہو. اس طرح آپؐ نے بہت سی چیزوں کا ذکر فرمایا حتیٰ کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ہم میں

سے کسی کو بھی ضرورت سے زائد کوئی چیز رکھنے کا حق نہیں۔"

مسلم ہی کی ایک اور روایت ہے :۔

"حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ بندہ 'میرا مال' میرا مال کہتا ہے۔ حالانکہ مال میں اس کا حصہ صرف تین چیزیں ہوتی ہیں۔ (۱) جو کچھ وہ کھا کر ہضم کر لیتا ہے۔ (۲) جسے وہ پہن کر پرانا کر دیتا ہے اور (۳) جو کچھ دوسروں کی پرورش کے لئے دے کر اپنے لئے ذخیرۂ آخرت کر لیتا ہے۔ ان تین چیزوں کے علاوہ جو کچھ بھی ہوتا ہے' وہ یا تو چلا جاتا ہے یا وہ اسے دوسروں کے لئے چھوڑ کر مر جاتا ہے۔"

یہیں سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ قرآنِ کریم نے جو مال و دولت کو جمع کرنے سے سختی سے روکا ہے تو یہ اسلامی مملکت کے نظام میں کس طرح فٹ بیٹھتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے :۔

مال و دولت جمع نہیں کئے جا سکتے

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ (۹/۳۴)

جو لوگ سونا چاندی (مال و دولت) جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں (ضرورت مند کی ضرورت رفع کرنے کے لئے) کھلا نہیں رکھتے تو انہیں الم انگیز عذاب سے آگاہ کر دے۔"

اسلامی مملکت میں :۔

۱۔ تمام افرادِ مملکت کی ضروریاتِ زندگی کا پورا کرنا مملکت کا فریضہ ہوتا ہے۔

۲۔ مملکت کا یہ فریضہ اس طرح پورا ہوتا ہے کہ ہر فردِ کاسب (یعنی جو کمانے کے قابل ہو) پوری پوری محنت کمائے۔ اس میں سے اپنی ضروریات کے مطابق رکھ کر باقی مملکت کے لئے کھلا چھوڑ دے تاکہ وہ اسے ضعفا کی ضروریات پوری کرنے کے کام میں لائے۔

۳۔ اس اصول پر سب سے پہلے خود نبیِ مملکت کاربند ہوتا ہے اور اس کا طرزِ عمل دوسروں کے لئے نمونہ بنتا ہے۔

حضورؐ کا ترکہ

اس سے ایک اور حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ جب اصول یہ ٹھہرا کہ کوئی شخص اپنی ضروریات سے زائد اپنے پاس رکھ نہیں سکتا، تو ایسے معاشرہ میں جائدادیں کھڑی کرنے اور انہیں ترکہ میں چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے حضورؐ نے واضح الفاظ میں فرما دیا تھا کہ

"میرے ورثہ میں ایک دینار بھی بطورِ ترکہ تقسیم نہیں ہوگا۔ میری بیویوں کی ضروریات اور منتظم کی ضروریات کے بعد جو کچھ بھی بچے صدقہ ہوگا۔" (بخاری)

اس سلسلے کی اگلی کڑی وہ روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مرض الموت کے ایام میں حضورؐ کے ہاں سات دینار تھے اور حضورؐ فرماتے تھے کہ انہیں صدقہ کر دو۔ لیکن اس کے بعد حضورؐ پر غشی طاری ہو گئی اور سب لوگ آپؐ کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔ آپؐ کو ہوش آیا تو فرمایا:۔

"وہ دینار لے آؤ، دینار کو حضورؐ نے اپنے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ محمدؐ کا اپنے رب پر کیا گمان ہوگا، جبکہ وہ اپنے رب سے ملے اور اس کے پاس یہ ہوں۔ پھر حضورؐ نے انہیں خود صدقہ کر دیا (یعنی بیت المال میں بھجوا دیا)۔" (اصح السیر۔ حکیم دانا پوری)

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار، نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔

اسی طرح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ نے اپنی وفات کے وقت نہ دینار چھوڑا نہ درہم، نہ غلام نہ لونڈی اور نہ کوئی اور چیز سوائے اپنے خچر کے اور اپنے ہتھیار کے اور اس زمین کے جسے آپؐ نے صدقہ کر دیا تھا۔ مولانا شبلی (مرحوم) نے "سیرۃ النبیؐ" میں "متروکات" کے عنوان کا آغاز ہی ان الفاظ سے کیا ہے:۔

"آنحضرتؐ نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات اور جائداد میں سے کیا کیا چیزیں ترکہ میں چھوڑیں؟ اس سوال کا اصل جواب تو یہ ہے کہ آپؐ اپنی زندگی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو وفات کے بعد چھوڑ جاتے۔ اگر کچھ تھا بھی تو اس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔"

میں نے ایک نوجوان طالب علم سے جب یہ اصول بیان کیا کہ کوئی شخص اپنی ضروریات سے زائد اپنے پاس کچھ نہیں رکھے گا تو اس نے کچھ طنزیہ انداز سے کہا کہ انسان کی اپنی ضروریات کا تو سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ اس کا تعین کون کرے گا کہ فلاں کے پاس زائد از ضرورت ہے۔ میں نے نہایت سکون سے جواب دیا کہ اس کا تعین وہ خود کرے گا۔ وہ کیسے کریگا؟

سنو!

اسلامی مملکت کے سربراہ، حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک دن کھانے کے بعد بیوی سے کہا کوئی میٹھی چیز اگر ہو تو دیجئے۔ اس نے کہا بیت المال سے جو راشن آتا ہے، اس میں میٹھی چیز شامل نہیں ——— بات آئی گئی ہو گئی۔ ہفتہ عشرہ کے بعد آپؓ نے دیکھا کہ کھانے کے ساتھ تھوڑا سا حلوہ بھی ہے۔ آپؓ نے بیوی سے کہا کہ تم نے تو کہا تھا کہ راشن میں کوئی میٹھی چیز نہیں آتی، یہ حلوہ کیسے پک گیا؟ اس نے کہا: "میں ان دنوں میٹھی بھر آٹا الگ رکھتی گئی۔ جب وہ کافی ہو گیا تو اس کے عوض بازار سے کھجور کا شیرہ منگوالیا اور حلوہ پکالیا۔" آپؓ کھانا کھانے سے فارغ ہو کر سیدھے بیت المال گئے اور راشن بانٹنے والے سے کہا کہ ہمارے لئے روزانہ جس قدر آٹا جاتا ہے اس میں سے ایک مٹھی کی کمی کر دی جائے کیونکہ تجربہ نے بتایا ہے کہ آٹے کی موجودہ مقدار ہماری روزانہ ضرورت سے بقدر ایک مٹھی کے زیادہ ہے۔"

ہمیں یہ باتیں آج افسانہ سی نظر آتی ہیں۔ لیکن یہ افسانے نہیں حقیقتیں ہیں۔ جب دین کے تقاضے اعماقِ قلب سے ابھریں تو اس میں یہ سب کچھ ممکن ہو جاتا ہے۔ دین کا قیام انہی افراد کے ہاتھوں عمل میں آسکتا ہے جن کی ذات میں اس قسم کا تغیر آچکا ہو اور جن کے قلب و نگاہ میں ایسی تبدیلی پیدا ہو چکی ہو۔ نگاہ کی تبدیلی سے انسانی کیریکٹر میں اس قسم کی تبدیلی آجاتی ہے، اس کی مثالوں سے ہمارے اس دور کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ جب مدائن فتح ہوا تو فوج کے سپاہی وہاں سے شہنشاہِ ایران کے موتیوں کے ہار، جواہرات کا مرصع تاج اور زرکار ریشمی ملبوسات لے کر آئے۔ جن میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔

جب اس مالِ غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ) مدینہ پہنچا تو اہلِ مدینہ کی آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں ان کا ذہن اسے باور نہیں کرتا تھا۔ ساٹھ مربع گز کا تو صرف ایک قالین تھا جس پر مملکت کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ اس کی زمین سونے کی تھی، جابجا موتیوں کی نہریں تھیں، کناروں پر چمنستان تھا جس پر منقوش درختوں کے تنے سونے کے، پتے ریشم کے اور پھل جواہرات کے تھے۔ حضرت سعدؓ نے لکھا تھا کہ یہ تمام زر و جواہرات مسلمان سپاہیوں کے قبضے میں تھے اور ایسے ایسے مقامات سے ملے تھے جہاں انہیں کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ لیکن ان میں سے کسی نے ایک سوئی بھی اپنے پاس نہیں رکھی۔ سب کچھ لاکر اپنے قائد کے سامنے رکھ دیا۔ یہ معلوم ہونے پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس قسم کی دیانت اور امانت کی مثال اور کہاں مل سکے گی؟ اس کے جواب میں جو کچھ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اس دیانت اور امانت کا راز اس میں تھا۔ آپؓ نے فرمایا کہ

"چونکہ آپؓ کا دامن پاک ہے، اس لئے آپ کی رعایا بھی پاک دامن ہے۔ اگر آپ کی نیت ٹھیک نہ ہوتی تو اس کی نیت میں بھی فرق آجاتا۔" (بحوالہ ہیکل)

اس دیانت اور امانت کی ابتدا خود اپنے گھر سے ہوتی تھی۔ حضرت معیقیبؓ بیت المال کے خزانچی تھے۔ ایک دن

بیت المال میں جھاڑو دینے لگے تو کوڑے میں سے ایک درہم (یوں سمجھئے کہ اس وقت کا چھوٹے سے چھوٹا سکہ) ہاتھ لگا۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ کے گھر کا ایک بچہ پاس کھڑا تھا۔ خزانچی نے وہ درہم اس بچے کو دے دیا اور گھر چلا گیا۔ ابھی گھر پہنچا ہی تھا کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کا بلاوا آ گیا۔ وہ آیا تو دیکھا کہ وہی درہم آپؓ کے ہاتھ میں تھا۔ کہا کہ معیقیبؓ! میں نے تمہارے ساتھ کونسی زیادتی کی تھی جو تم نے مجھ سے اس طرح بدلہ لینا چاہا؟ تم سوچو کہ قیامت کے دن جب امتِ محمدیہؐ مجھ سے اس درہم کی بابت پوچھے گی تو میں کیا جواب دوں گا؟

آپؓ کا معمول تھا کہ جب لوگوں کو کسی بات سے منع کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے ان سے کہتے:۔

میں نے لوگوں کو فلاں فلاں چیز سے منع کیا ہے۔ یاد رکھو! لوگ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جس طرح پرندہ گوشت کی طرف دیکھتا ہے۔ اگر تم بچو گے تو وہ بچیں گے اور اگر تم پھنسو گے تو وہ بھی پھنسیں گے۔ اگر تم میں سے کسی شخص نے ان باتوں کا ارتکاب کیا تو خدا کی قسم! میں اپنے ساتھ تمہارے تعلق کی وجہ سے تمہیں دُگنی سزا دوں گا۔ اب تمہیں اختیار ہے جو چاہے حدود سے تجاوز کرے، جو چاہے ان کے اندر رہے۔ (شاہکارِ رسالت)

(۰)

یہ ہیں چند ایک جھلکیاں سربراہانِ مملکتِ اسلامی (محمدؐ رسول اللہ والذین معہٗ) کی اس سیرتِ مقدسہ کی جو دنیا کے اربابِ فکر و عمل کو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اگر تم انسانیت کی سطح بلند کرنا چاہتے ہو تو اس کا طریق یہ ہے کہ تم نوعِ انسانی کے بوجھ کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر کھڑے ہو جاؤ اور اپنی سیرت و کردار کو بلند کرتے جاؤ۔ اس طرح تم جس قدر تم خود بلند ہوتے جاؤ گے، اسی نسبت سے انسانیت اوپر کو اٹھتی چلی جائے گی۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف اقبالؒ نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ ؎

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش
تختِ کسریٰ زیرِ پائے امتش

اس شہنشاہِ بوریا نشینؐ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک درخشندہ نقش، جہانِ کشور کشائی و فرمانروائی کے اس عظیم راز کی پردہ کشائی کرتا ہے کہ جو صاحبِ ہمت اس بارِ امانت کو اٹھائے، وہ خود تخت کے اوپر نہ بیٹھے۔ تخت کے اوپر قوم کو بٹھائے اور اس کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا کر اس کی سطح کو بلند کرتا جائے۔ لیکن یہ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ قرآن کی پیش کردہ مستقل اقدار پر انسان کا اٹل ایمان ہو اور وہ زندگی کے اس نقشہ کو اپنا نصب العین قرار دے جسے محمدؐ رسول اللہ والذین معہٗ کے مقدس ہاتھوں نے عملاً مرتب کر کے دکھایا تھا۔ جس دن دنیا نے اس راز کو پالیا اور اس اٹل کو اپنا مطلوب و مقصود قرار دے لیا۔ یہ جہنم، جس میں اس وقت ساری دنیا مبتلائے عذاب ہے، جنت ارضی سے

بدل جائے گا اور زمین سر اٹھا کر آسمان سے کہہ سکے گی کہ

دیدہ آغازم۔ انجامم نگر

اور عالمِ ملکوت کی نور پاش فضاؤں سے تبریک و تہنیت کے یہ نغماتِ جانفزا ساکنانِ ارض کے فردوسِ گوش بنیں گے کہ

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۳۳/۵۶)

(۰)

اس ضمن میں اس حقیقت کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلامی مملکت کی یہ ذمہ داری صرف اپنی مملکت کے افراد تک محدود نہیں۔ اس کا دائرہ بڑا وسیع ہے اور تمام عالمِ انسانیت کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ "اپنی مملکت" تو وہ معمل (لیبارٹری) ہوتی ہے جس میں سب سے پہلے اس نظام کو عمل میں لایا جاتا ہے۔ جوں جوں ان افرادِ مملکت کی ضروریات پوری ہوتی چلی جاتی ہیں، عالمگیر ربوبیت کے اس دائرے کی حدیں آگے بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اس کا منتہا پوری کی پوری نوعِ انسانی کی پرورش اور نشوونما ہے۔

عالمگیر ربوبیت

اس سلسلہ میں انسان اور انسان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ یہ فرق تو دورِ حاضر کی قومیت پرستی ــــ نیشنلزم کی لعنت کا پیدا کردہ ہے جس نے انسانوں کو، خود ساختہ معیاروں کے مطابق مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر کے دنیا کو بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ کا الم انگیز جہنم بنا رکھا ہے۔ اسلامی نظام اس تفریق کو مٹانے کے لئے وجود میں آتا ہے۔ جس نظام کے سربراہ کا یہ اعلان ہو کہ "اگر دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر گیا تو اس کی ذمہ داری عمرؓ کے سر ہوگی" اس نظام میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ جو شخص بھوک سے کراہ رہا ہے۔ وہ اپنی مملکت کا باشندہ ہے یا کسی دوسری مملکت کا۔ وہ اپنی قوم کا فرد ہے یا غیر قوم کا۔ وہ کالا ہے یا گورا۔ وہ عربی ہے یا عجمی۔ وہ مسلمان ہے یا کافر! اس نظام میں اس کی قطعاً تمیز نہیں کی جائے گی۔ اس میں انسان اور انسان میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام کے لانے والے رسولؐ کا خطاب نہ کسی خاص خطۂ زمین کے لوگوں سے تھا، نہ کسی خاص قبیلہ، نسل یا قوم کے افراد سے۔ اس کا خطاب پوری نوعِ انسانی سے تھا جب اس نے کہا تھا کہ

نوعِ انسان کی طرف رسولؐ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (۷/۱۵۸)

اے نوعِ انسان! میں تم سب کی طرف خدا کا پیامبر ہوں۔

اسی جہت سے اس رسول کو بھیجنے والے خدا نے اعلان کر دیا تھا کہ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۲۱/۱۰۷)

ہم نے تجھے اقوامِ عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

رحمت کے معنی ہیں سامانِ نشوونما جو بلا مزد و معاوضہ دیا جائے ـــــ اور "نشوونما" میں انسان کی جسمانی پرورش اور اس کی انسانی صلاحیتوں کی تربیت اور ارتقا سب آجاتے ہیں۔ لہٰذا حضورؐ کے ظہورِ قدسی کا مقصد یہ تھا کہ عالمگیر انسانیت کی اس طرح نشوونما ہوتی جائے کہ صحنِ چمنِ عالم میں کوئی غنچہ بن کھلے مرجھا نہ جائے۔ اسی رحمۃ اللعالمینی کا تقاضا تھا جس کی وجہ سے آپؐ نے روم کے شہنشاہ کو لکھا تھا کہ

اگر تم نے صحیح راستہ اختیار نہ کیا تو تمہاری مملکت میں مظلوم کاشتکاروں پر جو زیادتیاں ہو رہی ہیں اس کا سارا بار تمہاری گردن پر ہوگا اور ہم پر یہ فرض ہو جائے گا کہ ان مظلوموں کو اس ظلم سے بچائیں۔

ہزار ہزار بار سلام و رحمت ہو نوعِ انسانی کے اس محسنِ اعظمؐ پر، جس نے اپنی عدیم النظیر تعلیم اور فقید المثال عمل سے دنیا کو بتا دیا کہ جو شخص انسانوں کے معاملات سنوارنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے، اس کی اپنی زندگی کیسی ہونی چاہیئے۔ یہی وہ حیاتِ طیبہ ہے جس کے نقوش، زندگی کی شاہراہ پر، تابندہ ستاروں کی طرح جگمگ جگمگ کرتے اور کاروانِ انسانیت کو اس کی منزلِ مقصود کا سراغ دیتے ہیں۔ زمانے کی ریگِ رواں پر اگر یہ نقوشِ قدم نہ ہوں تو کوئی راہرو اپنی منزل تک نہ پہنچ سکے۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو — چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو — بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
بزمِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

علامہ غلام احمد پرویزؒ کا

درسِ قرآن

اوسلو، ناروے۔ ٹیلی ویژن چینل۔ ۹۔ جمعرات۔ ۹ تا ۱۰ بجے شب

بشیر احمد عابد
کویت

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ط

عِفّت مآب خواتین

عورت تہذیب کی اساس ہے؛ عورت کے بغیر کوئی تہذیب نہ جنم لے سکتی اور نہ پنپ سکتی ہے؛ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ...... ص

"تمہاری عورتوں کی مثال کھیتی کی سی ہے۔"

اچھی کھیتی؛ اچھی کاشت کا باعث ہوتی ہے۔ کھیتی اگر کٹی پھٹی اور جھاڑ جھنکار سے اٹی ہو تو اس میں اچھی کاشت کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح اگر عورت بھی غیر محفوظ ہو جائے تو اس سے ایک اچھا اور صحت مند کلچر جنم نہیں لے سکتا۔ دورِ حاضرہ کی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ معاشرتی توازن (SOCIAL EQUILIBRIUM) پر جتنے عوامل بھی اثر انداز ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم اور مؤثر فیکٹر خود عورت ہے۔ علمائے عمرانیات اس حقیقت پر متفق دکھائی دیتے ہیں کہ اگر کسی معاشرے میں عورت صحیح مقام پر فائز ہے، صحت مند اور متوازن شخصیت کی حامل ہے تو وہ معاشرہ اپنے حسن و توازن میں بے مثال ہوگا۔ ایسے معاشرے میں بسنے والوں کی شخصیتیں استوار ہو جاتی ہیں اور ان میں حسن اور نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے معاشرے سے جبریت، تشدد، ظلم اور استحصال کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر عورت سرکش ہے، اپنے مقام سے ہٹی ہوئی ہے، اپنے حقوق و فرائض میں توازن کھو چکی ہے تو اس معاشرے کا وہ حال ہوتا ہے جو آج ہم دنیا کے ہر خطے اور ہر معاشرے میں دیکھ رہے ہیں۔ فساد، بربریت، استبداد، استحصال! ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر معاشرہ، چاہے ترقی یافتہ ہے یا غیر ترقی یافتہ، جہنم کا سماں پیش کر رہا ہے۔ جہاں ہر طرف انسانیت جل رہی ہے، تڑپ رہی ہے، سسک رہی ہے، عزتیں برباد ہو رہی ہیں، عصمتیں لٹ رہی ہیں، تمکنت اور وقار کی دھجیاں اڑ رہی ہیں اور ہر انسان بلاتمیز رنگ، نسل، مذہب، وطن اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کر رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس جہنم کو دہکانے میں کئی دیگر عوامل بھی کارفرما ہیں لیکن اس کے شعلوں کو بھڑکانے میں بنتِ

حوا کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ حالات ہمیں سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ معاشرے میں عورت کے صحیح مقام کا تعین کر سکیں کیونکہ اسی کے دم قدم سے معاشرہ توازن بدوش اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہوگا۔

ایک مقصد اس کے لئے خدا نے تجویز کیا ہے۔ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ۔ اور اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے فطرت نے اسے کچھ مخصوص صلاحیتیں ودیعت کی ہیں اور اس کا فریضہ ٹھہرایا ہے کہ ان کی حفاظت کرے، نشوونما دے اور ٹھیک ٹھیک پیمانوں سے استعمال کرے۔ ان فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اسے کوہ آسا تحفظ فراہم کیا اور کفالت کی جملہ ذمہ داریاں مردوں کے سر ڈال دیں جنہیں یہ بطور استحقاق (AS OF RIGHT) ڈیمانڈ کر سکتی ہے۔

عورت کا دوسرا مقام وہ ہے جس پر تہذیبِ حاضر نے اسے براجمان کیا ہے۔ وہ مقام جس پر اس تہذیب نے اسے سرفراز کیا ہے وہ ہے سمبل آف سیکس (SYMBOL OF SEX) جس کا فریضہ سجنا، بننا، سنورنا اور حسین لگنا اور اس کی زندگی کا منتہیٰ و مقصود جانِ محفل بننے تک محدود ہو جاتا ہے۔ اردگرد سے اس پر مرکوز مشتاق نظریں اسے تحفظ کا احساس دلاتی ہیں مگر یہ تحفظ ایک سراب ہوتا ہے، معاشرے میں فساد کا موجب بنتا ہے۔

ہمارے لئے یہ اندازہ کرنا کافی مشکل ہے کہ نظامِ خداوندی میں جبکہ عورت اپنے صحیح مقام پر فائز ہوتی ہے تو اسے کس قدر تحفظ حاصل ہوتا ہے اور وہ کتنی باعزت اور سکھ کی زندگی بسر کرتی ہے۔ اس لئے کہ بدبختی سے ہم نے اس مقامِ بلند پر عورت کو کبھی دیکھا ہی نہیں ہے۔ البتہ، موجودہ سوشل سسٹم میں اس کی جو حالت اور قدر و منزلت ہے وہ ہمارے سامنے ہے اور یہ یونیورسل ہے۔ پہلے پہل ہم سمجھتے تھے کہ عورت کے ساتھ وحشیانہ سلوک صرف اپنے ملک میں ہوتا ہے اور وہ جاہلیت کی بنا پر ہے۔ نہ عورت اپنے حقوق سے باخبر اور نہ وہ اپنی ذمہ داریاں انسانوں کی طرح نبھاتے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ مہذب اور ترقی یافتہ معاشروں میں عورت کے ساتھ ایسا ناروا سلوک نہیں کیا جاتا۔ کاؤبوائے (COW BOY) فلموں میں جب دیکھتے کہ ایک گورا نہایت شائستگی سے میم صاحبہ کا ہاتھ تھام کر بگھی سے اترنے میں مدد دے رہا ہے تو اس کے نخریلے پن پر ہم جھوم اٹھتے اور بیساختہ منہ سے نکلتی ـــــ واہ! یہ ہوئی نا بات! اسے کہتے ہیں تہذیب! اور پھر اپنی حرماں نصیبی پہ حسرت زدہ ہو کر کہتے کاش! ہم بھی ویسے ہی مہذب ہوتے۔ اس تہذیب کا کمال یہ ہے کہ عورت کو مرد کے ساتھ لا کھڑا کیا ہے۔ دفتروں، فیکٹریوں اور بازاروں میں ہر جگہ عورت، مرد کے شانہ بشانہ کام کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ وہ اپنے جائز مقام پر فائز ہے۔ جبکہ حقیقت الٹ ہے!

واضح رہے کہ جب ہم عورت کے مقام کی بات کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد خدانکردہ یہ ہے کہ عورت کو ایک خاص ماحول یا مقام پر محبوس کر دیا جائے۔ ہماری مراد عورت کے حقوق و فرائض کے تعین سے ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ صحیح معاشرہ وہ ہوتا ہے جہاں ہر چیز اپنے صحیح مقام پر ہو اور اس کے حقوق و فرائض واضح طور پر متعین ہوں۔ یہ اس کائنات کا اصل الاصول ہے۔ کائنات کی ہر شے اپنے مقام پر ہے اور ہر شے کے حقوق و فرائض متعین ہیں۔ اسی لئے، ہم دیکھ

ہے کہ باوجود لامحدود وسعتوں اور مہیب اجسام کے یہ ایک سوئس میڈ واچ کی سی خوبصورتی کے ساتھ فنکشن کر رہی ہے۔ (ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت) اور یہ بدیہی حقیقت ہے کہ کوئی معاشرہ جتنا اس اصول کے قریب ہوگا، اتنا ہی عمدہ فنکشن کرے گا۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاشرے میں عورت کے لئے ایک مخصوص مقام مقرر کر رکھا ہے اور اس کے حقوق و فرائض کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے جب کوئی عورت اپنے اس مقام سے پھسلتی ہے اور اپنے مفوضہ فرائض سے سرکشی اختیار کرتی ہے تو اس کا کیا انجام ہوتا ہے؟ اور اسے کس طرح کی کربناک اور ذلت آمیز زندگی کا سامنا ہوتا ہے، اس کا اندازہ ان واقعات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جس سے اس معاشرے کی ترقی یافتہ، آزاد عورت دوچار ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ وہاں عورت کی بڑی ہی عزت و توقیر ہوتی ہے۔

دلکش ہے فضا لیکن بے نافہ تمام آہو!

ان واقعات کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جہاں وحی کی روشنی نہ ہو، عقلِ انسانی وہ کیسی ہی بزعم خود ترقی یافتہ سطح پر کیوں نہ فائز ہو انسانی معاملات کو سلجھانے اور اسے متوازن معاشرے کی بنیاد بنانے میں عاجز اور بے بس ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی آزادانہ پرواز پر بظاہر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، انسان ان پابندیوں کو اپنی آزادی میں مخل سمجھتا ہے۔ وہ حدود نا آشنا آزادی کا خواہاں نظر آتا ہے مگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کس قدر متوازن اور مفید مطلب ہیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ انسان کی عقل بغیر وحی کی رہنمائی کے نامکمل ہے۔ اس لئے کہا:

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ۗ (۴/۲۸)

مغرب کس مشکل میں گرفتار ہے اس کا اندازہ وہاں کی عدالتوں میں وقتاً فوقتاً پیش آنے والے واقعات و مقدمات سے واضح ہوتا ہے، کویت سے شائع ہونے والے ایک انگریزی اخبار عرب ٹائمز میں شائع ہونے والا ایک کیس میری نظر سے گزرا۔ یہ واقعہ اس نے امریکی اخبار 'یو ایس ٹوڈے' سے نقل کیا ہے۔ کہانی کا عنوان ہے۔" امریکہ میں ملازمت پیشہ خواتین پر جنسی تشدد" ملاحظہ فرمائیے۔

"دو سال قبل، اینیتا ہل نامی ایک خاتون کے مقدمے نے پوری قوم کی توجہ ایک ایسے مسئلے پر مرکوز کر دی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ امریکہ میں آدھی سے زیادہ ملازمت پیشہ خواتین کو اس کا سامنا ہے، یعنی جنسی تشدد! آج ایک بار پھر اسی نوعیت کا ایک مقدمہ ٹریسا ہیرس نامی خاتون نے سپریم کورٹ آف امریکہ میں دائر کیا ہے جس کی سماعت کرنے والے جج صاحبان میں کلارنس تھامس بھی شامل ہیں جن پر اینیتا ہل نے جنسی تشدد

کا الزام لگایا تھا۔ ٹریسا ہاریس اس وقت ناشویلے شہر کے ایک ہسپتال میں بطور نرس کام کرتی ہے۔ ان کے مقدمہ میں ایک ایسا سوال سامنے آئے گا جو ایپلائرز اور ملازمت پیشہ خواتین، دونوں کے لئے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ وہ یہ کہ کسی جگہ کا ماحول کس حد تک خراب ہو جائے یا کسی ملازم خاتون کو کس حد تک چھیڑ چھاڑ برداشت کرنی پڑے۔ قبل اس کے کہ اس کے متعلق قانونی طور پر کہا جا سکے کہ یہ جنسی تشدد ہے! ہر فرد کی نظریں اس پر جمی ہیں کہ عدالت اس سوال کو کیسے نمٹاتی ہے؟"

جنسی تشدد سے متعلق اس نوعیت کا عدالت کے سامنے یہ دوسرا مقدمہ ہے۔ پہلی بار ۱۹۸۶ء میں ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا تھا جس میں عدالت نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ "جنسی تشدد بھی جنسی تفریق کی ایک شکل ہے جو کہ غیر قانونی ہے۔" اس میں ضروری نہیں کہ ملازم کو برطرف ہی کیا جائے، اگر ایسے حالات بھی پیدا کر دیئے جائیں کہ جن میں کوئی ملازم اپنی عصمت و عفت کو غیر محفوظ سمجھے یا تذلیل محسوس کرے تو یہ بھی ایک طرح کی جنسی تفریق ہوگی جو کہ غیر قانونی ہے! عدالت ایسے ماحول کو ہتک آمیز اور فحش قرار دیتی ہے۔ (AN ABUSIVE WORKING ENVIRONMENT).

ٹریسا ہاریس ایک کمپنی میں بطور سیلز منیجر کام کرتی تھی۔ یہ کمپنی ناشویلے شہر میں فوراک لفٹس ٹرک کی سیل اور رینٹنگ کا کاروبار کرتی ہے۔ شوروم میں ایک طرف یہ بھی تحریر ہے کہ یہاں خواتین اور مردوں کو ملازمت کے یکساں مواقع میسر ہیں اور ہر ایک کے ساتھ بلا امتیاز سلوک کیا جاتا ہے۔ کمپنی کے پریذیڈنٹ مسٹر چارلس ہارڈی کہتے ہیں:۔ "میں جنسی تفریق کا قائل نہیں، اپنے سب ملازمین کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ رکھتا ہوں۔ ٹریسا ہاریس کے ساتھ بھی میرا رویہ مختلف نہیں ہے۔ میں اسے بھی ایک لڑکا ہی سمجھتا ہوں۔" زیرِ سماعت کیس کے حوالے سے بات کرتے ہوئے مسٹر ہارڈی فرماتے ہیں: "اگر میں نے ہاریس سے کبھی یہ کہہ بھی دیا ہو کہ تو عورت ہے، تو کچھ نہیں جانتی! تو ٹھیک یہ قدرے غیر شائستہ زبان کہلا سکتی ہے یا یہ کہ اسے ڈانٹ ڈپٹ بھی کہا جا سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی خاتون اسے اپنی توہین پر محمول کر لے! لیکن اس سے جنسی تشدد کا کیا تعلق؟ یا کونسا پہلو نکلتا ہے؟ میرے نزدیک تو ایسی بات کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی! لیکن ٹریسا ہاریس کا کہنا ہے کہ بات صرف اتنی ہی نہیں ہے، ہارڈی جو کچھ بکواس کرتا رہتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے! اس نے ایک سے زاید موقعوں پر یہ بکواس بھی کی کہ تم ایک بے وقوف اور کم عقل عورت ہو! اور پھر یہ ذلیل حرکت بھی، جب ایک موقعہ پر کہا، "چلو" ہالیڈے ان" چل کر تمہاری تنخواہ میں اضافے کی بات کرتے ہیں!

اس کے علاوہ کچھ اور ایسی حرکات بھی کرتا جسے وہ غیر شائستہ اور فحش سمجھتی ہے۔ چارلس ہارڈی کو ان الزامات سے انکار نہیں، لیکن اس کا کہنا ہے کہ وہ یہ سب کچھ ہنسی مذاق میں نہ کہ سنجیدگی سے کیا کرتا تھا۔

ہارڈی کے وکیل مسٹر سٹینلے شرنار کا کہنا ہے کہ گھریلو سطح پر دونوں فیملی میں ایسا مذاق پایا جاتا ہے اور جو کچھ دفتر میں ہوتا ہے وہی کچھ ڈرائنگ رومز میں بھی ہوتا رہتا ہے۔ یعنی دونوں خاندان باہمدگر بے تکلف ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ آفس میں جو کچھ ہوتا ہے اس میں تذلیل یا شرمساری کی کوئی بات ہو۔

ہاریس کا کہنا ہے کہ میرے لئے یہ سب کچھ ناقابلِ برداشت اور اذیّت کا باعث ہے۔ وہ کہتی ہے کہ ہارڈی کی اس بکواس سے اس کی نہ صرف عزّتِ نفس مجروح ہوتی ہے بلکہ اس کی صحت بھی بُری طرح متأثر ہو رہی ہے۔ اس دفتر میں اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا میرے لئے اجیرن ہوگیا ہے۔ مجھے اس ماحول سے شدید نفرت ہوگئی ہے۔ اس کے احساس سے ہی میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔ میری راتوں کی نیند حرام ہوگئی ہے اور پی پی کر میرا بُرا حال ہوگیا ہے! میں کب کی یہ نوکری چھوڑ دیتی۔ لیکن مجبور ہوں۔ خوشی سے نہیں کر رہی! اور اب یہ حالت ہے، ہاریس کہتی ہے میں اس جگہ اپنے آپ کو ایک فاحشہ کی طرح محسوس کرتی ہوں۔ میں اس ماحول کو قطعی ناپسند کرتی ہوں۔ لیکن کیا کروں؟ اگر نوکری چھوڑتی ہوں تو سارا کنبہ بھوکا مرتا ہے۔ اس لئے کہ سب کی کفالت میرے سر ہے! کوئی بھی دوسرا کمانے والا نہیں۔

بالآخر دو سال بعد ہاریس نے اس ذلّت آمیز نوکری کو چھوڑ دیا۔ اور جس بات پر چھوڑا وہ انتہائی شرمناک تھی۔ ہوا یوں کہ ایک روز وہ کسی بڑے کنٹریکٹ کے سلسلے میں ہارڈی سے صلاح لینے گئی۔ ہارڈی نے مشورہ دیا کہ کنٹریکٹ حاصل کرنا چاہتی ہو تو رات بھر کے لئے گاہک کے ساتھ مہربانی کردو۔ ٹریسا نے اسی وقت اور وہیں پر استعفٰی اس کے منہ پر مارا اور سیدھی عدالت پہنچ کر ہتک عزّت اور جنسی تشدّد کا مقدمہ دائر کردیا۔

اس کیس کے ضمن میں زیریں عدالت کے ایک مجسٹریٹ نے بیان دیتے ہوئے کہا۔" یہ صحیح ہے کہ ہارڈی ایک بدگو اور بدتمیز انسان ہے اور وہ ٹریسا ہاریس کے ساتھ ناشائستہ اور ہتک آمیز سلوک کا مرتکب ہوا ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہ چیز ٹریسا ہاریس کی ذہنی صحت اور کارکردگی کو متاثر کرسکتی ہے۔" اور اس نے یہ فیصلہ دیا کہ

"ٹریسا ہاریس کو جن حالات کا سامنا رہا ان میں ایک معقول خاتون منیجر کی کارکردگی اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں متاثر نہیں ہونی چاہیئے۔"

اور اس فیصلے پر اپیل اب عدالتِ عالیہ کے سامنے ہے

وکلاء کا کہنا ہے کہ بعض لوگ بات بات میں جنسی تشدّد ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ زیرِ سماعت کیس میں بالفرض ٹریسا ہاریس یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے کہ وہ جنسی تشدّد کا شکار ہوئی ہے تو پھر ان دیگر خواتین کے بارے میں کیا کیا جائے گا جو اسی کمپنی میں انہی حالات کے تحت کام کر رہی ہیں اور جن میں سے ایک نے بھی ہارڈی

کی باتوں کا بُرا نہیں منایا؟ کیا اس سے یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ ایمپلائرز کو حساس طبع خواتین کے لئے الگ ضابطۂ اخلاق اختیار کرنا چاہیئے؟

ایک خاتون وکیل کا کہنا ہے کہ خواتین کے نقطۂ نگاہ سے یہ مقدمہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ اس لئے کہ اس وقت خواتین کو جنسی تشدد کے ضمن میں جو تحفظات حاصل ہیں۔ ان کے خلاف ایمپلائرز اکثر و بیشتر ایسی فنی باریکیاں اور قانونی پیچیدگیاں پیدا کرتے رہتے ہیں جن سے یہ کمزور پڑ جائیں۔

اس کیس کا ایک دوسرا پہلو بھی دلچسپی کا باعث ہے۔ وہ یہ کہ اس سارے معاملے میں جو الزامات لگائے گئے ہیں ان کا سررشتہ مسٹر ہارڈی کی گفتگو (SPEECH) سے جڑتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جنسی تشدد سے متعلق نقطۂ نظر اس حد تک متشدد ہو جائے تو کیا اس سے انسان کی آزادیٔ تقریر کی حق سلبی نہیں ہو گی۔ بالخصوص جبکہ اس آزادی میں شائستہ اور غیر شائستہ زبان کی کوئی قید نہ ہو"۔

عزیزانِ من! آپ نے کیس پڑھ لیا۔ یہ کیس ابھی زیرِ سماعت ہے اور عدالت کو کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے ایک عرصہ لگے گا۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا۔ اس میں کئی دلچسپ سوال سامنے آئے ہیں۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ سپریم کورٹ آف امریکہ ان سوالات سے کیسی نمٹتی ہے۔ نہ ہی ہمیں اس کے کسی فیصلے سے دلچسپی ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ عدالت جو بھی فیصلے کرے گی، ان کا اطلاق ہم پر نہیں ہو گا۔ البتہ اس کیس میں جو چیز ہماری دلچسپی کا باعث ہے وہ معاشرے میں صنفِ نازک کا مقام ہے! دوسری دلچسپ چیز، عصمت و عفت کی ضامن وہ اعلیٰ اقدار ہیں جو خود صنفِ نازک سے بھی کہیں زیادہ نازک اور لطیف ہیں اور جن کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ ان کا تعین اور احتساب صرف ایک لطیف و خبیر ہستی کر سکتی ہے۔ یعنی ذاتِ باری تعالیٰ، جو ہر احتیاج سے بے نیاز ہے۔ (الصمد)۔

یہ سب پہلو، اس کیس کی روشنی میں نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ نام نہاد آزادی اور مساوات کی بھینٹ چڑھی ہوئی عورت کی چیخیں بھی ہم نے سُن لیں! تہذیب اور اخلاق کے نام پر پھیلائی ہوئی فحاشی کا نظارہ کر لیا! عدالتوں کی دماندگی بھی دیکھ لی!

ڈور کو سلجھا رہے ہیں، پر سرا نہیں ملتا!

جنسی تشدد کی تحدید کرتے ہیں تو آزادیٔ تقریر زد پڑتی ہے۔ عورت کے لئے ضوابط مقرر کرتے ہیں تو مرد کی آزادی سلب ہوتی ہے اور اس الجھن میں دنیا کی ہر معاشرت گرفتار ہے۔ اس سب فساد اور پراگندگی کو دیکھ کر ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت معاشرے میں عورت کو اس کا جائز اور فائق مقام حاصل نہیں ہے۔ یہاں ایک بار پھر دہرا دوں کہ مقام سے مراد یہ نہیں کہ عورت کس جگہ ہے اور کیا کام کرتی ہے؟ بلکہ ہمارے سامنے سوال قلب و نظر کا ہے!

محوّلہ بالا کیس میں جتنی بھی اصطلاحیں استعمال ہوئی ہیں اور جو کردار بھی سامنے آئے ہیں وہ سب اضافی ہیں۔ اصل اور بنیادی شے عورت کا مقام ہے۔ یعنی وہ مقام جو ایک انسان کے قلب و نگاہ میں ہوتا ہے۔ اگر یہ مقام درست نہیں ہے تو پھر ان مسائل کا حل کافی مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ نہ تو قاضی کے بس میں ہے اور نہ کسی قانون کے تابع! انسان کی زبان کھینچی جا سکتی ہے۔ اس کی آنکھیں نکالی جا سکتی ہیں۔ پاؤں میں بیڑیاں ڈالی جا سکتی ہیں لیکن اس کی قلب و نگاہ پر گرفت نہیں کی جا سکتی!

ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس وقت چار دانگ عالم، عورت کو بطور سمبل آف سیکس لیا جاتا ہے۔ جو عورت اس مقام سے متمسک رہتی ہے اور اپنے فرائض کو خوبصورتی سے نبھاتی ہے اسے بھرپور توجہ اور مسرت بھری زندگی حاصل ہوتی ہے اور جو اس سے سرکشی اختیار کرتی یا غفلت برتتی ہیں تو ان کے لئے زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ یہ مقام بڑے غور کا ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ عورت کا صحیح مقام وہ ہے جو اس کے لئے خالقِ کائنات نے متعین کیا ہے۔ وہی ایک ہستی ہے جو کائنات میں ہر شے تقاضوں سے واقف ہے اور اسی کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر ان تقاضوں کی تکمیل کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْب کہا ہے۔ نوعِ انسانی کے مستقبل کی محافظ! اس مقامِ بلند پر فائز ہونے سے اس پر ذمہ داریوں کا بہت بڑا بوجھ عاید ہوتا ہے۔ ان فرائض کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کے لئے اسے مکمل تحفظ، پیار اور توجہ چاہیئے تاکہ اس کی صلاحیتوں کی بھرپور نشوونما ہو سکے اور یہ انہیں ٹھیک ٹھیک پیمانوں سے استعمال کرنے کے قابل ہو سکے۔

نوعِ انسانی کی یہ بہت بڑی بدبختی ہے کہ آج تک الّا ماشاء اللہ عورت کو یہ مقام نصیب نہیں ہو سکا جس کا خمیازہ سب بھگت رہے ہیں۔ ماضی میں عورت نے مستقبل کے لیے جو نسل تیار کی تھی آج وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس کے کرتوت دیکھ کر کائنات کی ہر شے سرگریباں اور لرزاں و ترساں ہے۔ آج جس انداز سے نسلِ انسانی تیار ہو رہی ہے اور آج کی خواتین جس حسنِ کارانہ انداز سے ان کی پرورش اور نگہداشت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو رہی ہیں، اسے دیکھ کر ہمارا ذہن ماؤف ہو جاتا ہے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ مستقبل میں یہ اخلاق بافتہ اور پراگندہ ذہن نسل کیا گُل کھلائے گی۔

عریانیت اور فحاشیت جنگل کی آگ کی طرح پھیلی ہوئی ہے اور کوئی گھرانہ ایسا نہیں جو اس کے شعلوں کی لپیٹ میں نہ ہو۔ ہر معاشرہ ایک ایسا جہنم بن چکا ہے کہ جس میں سے اگر کوئی نکلنا بھی چاہیئے تو نہیں نکل سکتا۔ دوسرے ٹانگ پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں!

(یریدون ان یخرجوا منھا وما ھم بخارجین)

ستم بالائے ستم کہ اس آگ کو بھڑکانے والے ذرہ بھر نہیں تھکتے! جہاں کہیں ذرہ کم دکھائی دیتی ہے اس میں مزید ایندھن

جھونک دیا جاتا ہے۔ عورت کے حُسن کو دو آتشہ بنانے کے لئے نئی نئی جدّتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ شاعری، ادب، آرٹ، ثقافت، فن، فیشن، غرضیکہ کوئی شعبۂ زندگی ہو جب تخیّل محوِ پرواز ہوتا ہے تو باغوں، بہاروں، وادیوں، کوہساروں، انجم زاروں سے گزرتا، فکر کی بلندیوں کو چھوتا بالآخر عورت کے بدن ہی کے کسی نشیب و فراز پر لینڈ کرتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقامِ بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ، بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

ہر جدّت اور ہر تخلیق اپنے ساتھ ایک نئی قیامت لاتی ہے۔ شاید یہ اس لئے ہے کہ یہ جہنّم کا خاصہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (۱۷/۹۷)

"ان کا ٹھکانہ جہنّم ہوگا۔ جب کبھی اس کی آگ بجھنے کو ہوگی ہم اسے اور بھڑکا دیں گے"۔

قرآنِ کریم سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی چیز اپنے مقام سے گر جاتی ہے تو اسے ظلم کہتے ہیں اور یہ بدیہی حقیقت ہے کہ جو چیز جتنی اہم ہوگی، اس کا اپنے مقام سے گر جانا اتنا ہی بڑا ظلم ہوگا۔ اس کائنات میں پہلا عظیم ظلم اس وقت ہوا جب انسان نے اپنے آپ کو مقامِ بلند سے گرایا۔ (ربّنا ظلمنا انفسنا) اور اس کے بعد دوسرا عظیم ظلم یہ ہوا کہ عورت اپنے مقامِ بلند سے گر گئی! ؎

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اسکی
کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ مکنون!

وہ عورت کہ جس کے سامنے مرد کی ہستی ایسی تھی جیسے کمہار کے چاک پر گوندھی ہوئی مٹی ہو، جسے جیسا چاہتی بنا سکتی تھی لیکن وائے ناکامی! آج خود مرد کے ہاتھوں میں کھلونا بن چکی ہے۔ اس کی حیثیت ایک گلدستے کی مانند ہے جس کی جب مہک اور تازگی ختم ہو جاتی ہے تو اُٹھا کر طاقِ نسیاں پر رکھ دیا جاتا ہے۔ آج عورت جن مسائل میں گھری ہوئی ہے اور اس پر جو بھی تشدّد ہوتا ہے، جنسی، جسمانی، ذہنی، وہ سب اسی امیج (IMAGE) کا نتیجہ ہے۔ ایک خاتون بالوں میں بنگال کا جادو جگا کر اور آنکھوں میں کجلے کے ڈورے کھینچ کر اگر یہ سمجھتی ہے کہ وہ کوئی آہ! اف! ہائے! یا سیٹی سنے بغیر واپس گھر لوٹ آئے گی تو یہ اس کی خوش فہمی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی معاشرہ اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں کو عریاں کر کے یہ سمجھ بیٹھے کہ اب وہ چین اور سکھ کی بنسی بجائے گا تو یہ اس کی بھی خوش فہمی ہوگی۔ ان خوش فہمیوں سے

نکلنے کا واحد حل یہ ہے کہ عورت کے متعلق موجود امیج کو بدل دیا جائے، سب مسائل کی جڑ کٹ جائے گی! عورت کے معاملات سے متعلق موجودہ قواعد و ضوابط ان کا قلع قمع نہیں کر سکتے۔ ان کا حل نہ تو برقعہ ہے، نہ چادر، نہ چار دیواری اور نہ ہی عدالتی موشگافیاں! انہیں نہ تو یورپ اور امریکہ کے کورٹس کی وجد آفریں سماعتیں حل کر سکتی ہیں اور نہ ہی شرعی عدالتوں کے انسانیت سوز فیصلے! اور یہ بھی سُن رکھیے! ان معاملات کو سلجھانا انسان کے بس کی بات ہی نہیں الّا یہ کہ وہ کتاب اللہ کا سہارا لے! یہ اس لئے کہ انسان جذبات کا پیکر ہے۔ جب اس کے جذبات میں طغیانی برپا ہوتی ہے تو اس کی مثال ایک سرمست اور شوریدہ سر ندی کی سی ہوتی ہے۔ جو جب ہمالہ کے دامن سے نکلتی ہے تو ہر آن اور ہر لمحہ اس کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ کناروں کو مسلتی، درختوں کو روندتی، چٹانوں سے ٹکراتی، شور مچاتی جوشِ جنوں میں بڑھی چلی آتی ہے تا آنکہ اسے ترہیلہ کے مقام پر بند باندھ کر روک نہ لیا جائے۔ یہ بند اس کی ساری مستی اور شوریدہ سری کو توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اسے قرار آجاتا ہے اور یہ ایک دلکش اور پرسکون جھیل کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس کی طغیانی اور سرکشی کو توانائی میں بدل دیا جاتا ہے جو انسان کے ظلمت کدوں کو روشن کرتی ہے۔ قرآنِ کریم انسان کی سرکشی اور طغیانی کے آگے ایک عظیم الشان ڈیم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انسان کو جو چیز سب سے زیادہ سرکشی پہ آمادہ کرتی ہے وہ جنسی تغلب کا جذبہ ہے۔ اس جذبے کی شدت اور شعلہ آفرینی محتاجِ بیاں نہیں۔ دروغ بر گردنِ راوی، یہی چیز اسے جنت سے نکالنے کا سبب بنی۔ یہ جذبات ازل سے غالب چلے آرہے ہیں اور عورت ان جذبات کا بنیادی محور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم میں عورت سے متعلقہ امور کو سرفہرست رکھا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں کسی بھی دوسرے موضوع پر اس قدر ربط اور تفاصیل نہیں ملتیں جتنی کہ اس موضوع پر پائی جاتی ہیں اور اس کا کوئی پہلو تشنۂ طلب نہیں چھوڑا گیا۔

ڈاکٹر سید عبد الودود

"کمپیوٹر اللہ کے پیغام کا دنیا میں اعلان کرتا ہے"

القرآن ایک بے مثل معجزہ ہے

مسٹر راشد خلیفہ پی۔ایچ۔ڈی امام مسجد ARIZONA TUCSON کے نام نامی سے اکثر قارئین طلوعِ اسلام واقف ہوں گے۔ انہوں نے قرآنِ کریم کا انگریزی میں ترجمہ پیش کیا ہے۔ یہ ترجمہ سادہ اور عام قسم کا ہے جس سے قارئین طلوعِ اسلام شاید زیادہ مستفید نہ ہو سکیں۔ لیکن انہوں نے ایک نکتہ پیش کیا ہے جو کہ قابلِ قدر اور بے مثل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس نکتہ کی اشاعت کر کے ہم محترم راشد خلیفہ کو خراجِ تحسین پیش کر سکتے ہیں۔

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے۔ "قرآن کے من جانب اللہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اگر ساری دنیا کے انس و جن مل کر بھی کوشش کریں کہ اس قرآن جیسا قرآن بنالیں تو وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار کیوں نہ بن جائیں۔" (۱۷/۸۸)۔

پھر ارشاد ہے کہ:

"اگر تم اس قدر محکم دلائل و شواہد کے باوجود اس باب میں کسی شک و شبہ یا نفسیاتی الجھن میں مبتلا ہو کہ جو ضابطۂ زندگی ہم نے اپنے بندے کی وساطت سے تمہیں دیا ہے، وہ واقعی حقیقت پر مبنی ہے یا نہیں، تو اس کو دُور کرنے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ انسانی زندگی کے لئے جو ضابطہ یہ پیش کرتا ہے، اس کے بجائے کوئی متبادل نقشہ تم پیش کر کے دکھاؤ۔ پوری کی پوری عمارت کا نہیں تو اس کی کسی ایک منزل ہی کا سہی۔ یعنی اس ضابطہ کی کسی ایک شق جیسی بنا کر لاؤ۔ اس کے لئے کسی ایک شخص پر ذمہ داری ڈالنے کی ضرورت نہیں، جتنے ادیب و مفکر، اور تمدنی اور سیاسی مقننین تمہارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں ان سب کی ایک کمیٹی بنالو، بس ایک اللہ کی وحی کو الگ چھوڑ دو اور ان سے کہو کہ ایسا کر کے دکھائیں۔ اگر تم واقعی اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس چیلنج کو قبول کر کے دکھاؤ۔" (۲/۲۳)

لیکن محترم راشد خلیفہ نے یہ نقطہ پیش کیا ہے کہ اس کے علاوہ قرآنِ کریم کے اندر ایک خاموش عددی ضابطہ موجود ہے جو اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ قرآن ایک معجزہ ہے اور یہ اللہ کی کتاب ہے۔ یہ عددی ضابطہ ناقابلِ تردید ہے اور اس بات کا بے مثل ثبوت پیش کرتا ہے کہ قرآنِ کریم کی آیات اور ان کے حروف اپنی اپنی جگہ پر اس مضبوطی سے فٹ (FIT) ہیں کہ ان کی ترتیب میں ردّوبدل ناممکن ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ مسلمان اس خاموش عددی ضابطہ سے ۱۴۰۰ سال تک بے خبر رہے۔ یہ عددی ضابطہ بے حد پیچیدہ ہونے کے باوجود بڑی آسانی سے سمجھ میں آتا ہے اور اسے سمجھنے کے بعد کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں رہتی کہ قرآن ایک معجزہ ہے اور اللہ کی کتاب ہے۔ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۝ (۷۴/۳۵) کا ترجمہ وہ

"THIS IS ONE OF THE GREATEST MIRACLES"

کرتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہ اسی خاموش عددی ضابطے کی طرف اشارہ ہے۔

اب دیکھئے کہ یہ معجزہ کیا ہے؟ یہ عددی معجزہ ۱۹ کے ہندسے کے گرد گھومتا ہے۔ قرآنِ کریم کی پہلی سورۃ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے جس کے کُل حروف ۱۹ ہیں۔

بسم	اللّٰه	الرحمٰن	الرحیم
ب س م	ا ل ل ہ	ا ل ر ح م ن	ا ل ر ح ی م
3 2 1	7 6 5 4	13 12 11 10 9 8	19 18 17 16 15 14

اسم کا لفظ قرآن میں ۱۹ مرتبہ آیا ہے۔ رحمٰن کا لفظ ۵۷ مرتبہ یعنی ۱۹×۳، رحیم کا لفظ ۱۱۴ مرتبہ یعنی ۱۹×۶ اور اللہ کا لفظ ۲۶۹۸ مرتبہ یعنی ۱۹×۱۴۲۔

پہلی وحی "اقرا" میں ۱۹ الفاظ ہیں۔

اقرا	باسم	ربك	الذی	خلق	خلق	الانسان	من	علق	اقرا	وربك	الاكرم
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	11	12

الذی	علم	بالقلم	علم	الانسان	مالم	یعلم
13	14	15	16	17	18	19

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے ہاں موجود نہیں اور ہم ان کو بمقدارِ مناسب اتارتے رہتے ہیں۔ ۱۹ کا ہندسہ کیوں؟ اس لئے کہ ہر ۱۹ سال کے بعد سورج، زمین اور چاند ایک خطِ مستقیم پر واقع ہوتے ہیں۔

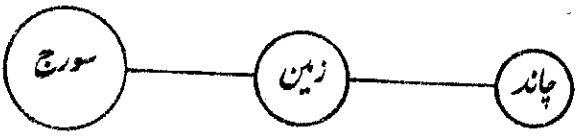

پرانے زمانے میں جب اعداد بھی ایجاد نہیں ہوئے تھے، حروف کو بطور اعداد استعمال کیا جاتا تھا۔ عربی حروف کے اعداد حسبِ ذیل تھے۔

ا	ب	ج	د	ھ	و	ز	ح	ط	ی
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10

عربی زبان میں 'ایک' کے حرف کو 'واحد' کہتے ہیں۔ اس کے اعداد دیکھئے۔

و	ا	ح	د
6	1	8	4

19 = 4 + 8 + 1 + 6

قرآنِ کریم کی 114 سورتیں ہیں۔ ہر سورۃ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے شروع ہوتی ہے سوائے سورہ توّاب (۹) کے۔ گویا اس طرح بسم اللہ 113 مرتبہ آتا ہے لیکن 113، 19 پر تقسیم نہیں ہوتا۔ اس کا حل کیا ہے؟ 9 کے عدد سے شروع کر کے 19 مرتبہ گنتی کریں۔ 9، 10، 11، 12، 13، 14، 15، 16، 17، 18، 19، 20، 21، 22، 23، 24، 25، 26، 27 ـــــ 19 مرتبہ گنتی کرنے کے بعد اشارہ سورہ 27 کی طرف ہوتا ہے۔ یہ سورۂ نمل ہے۔ اس کے اندر حضرت سلیمانؑ ملکہ سبا کو خط لکھتے ہیں اور اسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرتے ہیں۔ گویا قرآن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم 113 + 1 = 114 مرتبہ آیا ہے۔ 19 × 6 = 114

اب دیکھئے سورہ المدثّر (۷۴: ۳۰) میں 19 کا ہندسہ موجود ہے۔ عام تراجم کے مطابق علیھا تِسْعَةَ عَشَرَ "اس کے اوپر 19" کا مطلب دوزخ کے 19 داروغے لیا جاتا ہے۔ "متکبّر انسان جو انکار کرتا ہے کہ قرآن خدا کی کتاب نہیں، اسے ایسی سزا ملے گی جو نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی۔" (۷۴: ۲۸) اور اس کے اوپر 19 (۷۴: ۳۰) COMPUTER SPEAKS کے مصنف کے مطابق یہ 19 کا عدد قرآن کے خاموش عددی معجزہ کی طرف اشارہ ہے۔

قرآن کی پہلی وحی "اقرا" کے 19 الفاظ ہیں اور آخری وحی، سورۃ النصر (۱۱۰) کے بھی 19 الفاظ ہیں۔

اذا	جاء	نصر	الله	والفتح	واريت	الناس	يدخلون	في	دين	الله
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	11

افواجًا	فسبح	بحمد	ربك	واستغفر	انه	كان	توابا۔
12	13	14	15	16	17	18	19

پہلی وحی 'اقرا' کی سورہ العلق کا نمبر 96 ہے۔ قرآن کی آخری سورہ سے پیچھے کی طرف گنتی کریں تو سورہ العلق کا نمبر ۱۹ ہوگا۔

النّاس	خلق	اخلاص	لهب	نصر	كافرون	كوثر	ماعون	قريش	فيل
114/1	113/2	112/3	111/4	110/5	109/6	108/7	107/8	106/9	105/10

همزه	عصر	تكاثر	قارعه	عاديات	زلزال	بيّنة	قدر	علق
104/11	103/12	102/13	101/14	100/15	99/16	98/17	97/18	96/19

سورہ "العلق" میں ۱۹ آیات ہیں۔

۱۔ اقرا باسم ربّك الّذى خلق
۲۔ خلق الانسان من علق
۳۔ اقرا و ربّك الاكرم
۴۔ الذى علم بالقلم
۵۔ علّم الانسان مالم يعلم
۶۔ كلا ان الانسان ليطغىٰ
۷۔ ان رّاٰه استغنىٰ
۸۔ ان الىٰ ربّك الرّجعىٰ
۹۔ اريت الذى ينهىٰ
۱۰۔ عبدًا اذا صلّىٰ
۱۱۔ اريت اِن كان على الهدىٰ
۱۲۔ او امر بالتقوىٰ
۱۳۔ اريت ان كذّب و تولّىٰ
۱۴۔ الم يعلم بان الله يرىٰ
۱۵۔ كلّا لئِن لّم ينته ۵ۙ لنسفعًا بالنّاصية
۱۶۔ ناصيةٍ كاذبةٍ خاطئةٍ
۱۷۔ فليدع ناديه
۱۸۔ سندعُ الزّبانية
۱۹۔ كلاؕ لا تطعه واسجد واقترب ٥

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سورۃ العلق میں پہلی وحی کی ۱۹ آیات ہیں۔ اب دیکھئے اس میں حروف کتنے ہیں؟

1	اقرا	4
2	باسم	4
3	ربّك	3
4	الذی	4
5	خلق	3
6	خلق	3
7	الانسان	6
8	من	2
9	علق	3
10	اقرا	4
11	وربّك	4
12	الاكرم	6
13	الذی	4
14	علّم	3
15	بالقلم	6
16	علّم	3
17	الانسان	6
18	مالم	4
19	یعلم	4
		76 = 19×4

سورۃ العلق (۹۶) کی پوری سورۃ میں ۲۸۵ حروف ہیں۔ 19×15 = 285۔

اقرا	4	رّاٰہ	۴	الم	3
باسم	4	استغنٰی	6	یعلم	4
ربّك	3	اِنّ	2	بان	3
الّذی	4	اِلٰی	3	الله	4
خلق	3	ربّك	3	یرٰی	3
خلق	3	الرّجعٰی	6	کلا	3
الانسان	6	ارءیت	5	لئن	3
من	2	الذی	4	لم	2
علق	3	ینھٰی	4	ینته	4
اقرا	4	عبدًا	4	لَنَسْفَعًا	6
وربّك	4	اذا	3	بِالنّاصِیَةَ	8
الاکرم	6	صلّٰی	3	ناصِیَه	5
الّذی	4	ارءیت	5	کَاذِبَةٍ	4
علم	3	ان	2	خاطِئَةٍ	5
بالقلم	6	کان	3	فلیدع	5
علم	3	علی	3	نَادِیَهُ	5
الانسان	6	الھدٰی	5	سندع	4
مالم	4	او	2	الزَّبَانِیَة	8
یعلم	4	امر	3	کلّا	3
کلّا	3	بالتّقوی	7	لا	2
ان	2	ارءیت	5	تطعه	4
الانسان	6	ان	2	واسجد	5
لیطغٰی	5	کذّب	3	واقترب	6
ان	2	وتولّٰی	5		

285

نوٹ: (۱) اوپر بیان کئے گئے الفاظ میں لفظ "الانسان" تین مرتبہ آیا ہے۔ یہاں 'الانسان' کے 6 حروف شمار کئے گئے ہیں۔ حالانکہ اس کے ۷ حروف بنتے ہیں۔ ا ل ا ن س ا ن۔ مسٹر راشد خلیفہ نے بیان کیا ہے۔ قرآنی عربی اور عام عربی میں فرق ہے۔ قرآنی عربی میں یہ لفظ الانسٰن لکھا جاتا ہے جس کے 6 حروف بنتے ہیں۔ ا ل ا ن س ن۔ یعنی س اور ن کے درمیان والا ا نہیں لکھا جاتا۔ انہوں نے کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قرآن میں یہ لفظ عام عربی 'الانسان' ہی ہے۔ میری گزارش ہے کہ قارئین میں سے جو اصحاب عربی زبان کے زیادہ ماہر ہیں وہ اس نکتہ پر روشنی ڈالیں۔

(۲) اُوپر دیئے گئے چارٹ میں لفظ کاذبۃ کے حروف ۴ لکھے ہیں اور خاطئۃ کے حروف ۵ لکھے ہیں۔ حالانکہ دونوں الفاظ ایک جیسے ہیں اور ہر ایک کے 5 حروف بنتے ہیں۔

○

قرآنِ کریم کا آغاز لفظ 'اسم' سے ہوتا ہے۔ پورے قرآن میں لفظ 'اسم' ۱۹ مرتبہ آیا ہے۔

نمبر شمار	سورہ نمبر	آیت نمبر
1	5	4
2	6	118
3	6	119
4	6	121
5	6	138
6	22	28
7	22	34
8	22	36
9	22	40
10	49	11
11	55	78
12	56	74
13	56	96
14	69	52
15	73	8
16	76	25
17	87	1
18	87	15
19	96	1

نوٹ: یہ تمام اعداد و شمار حروف قرآنی کو کمپیوٹر میں فیڈ کر کے حاصل کئے گئے ہیں۔

○

قرآن کا عددی معجزہ

بعض سورتوں کے شروع میں اس قسم کے حروف پائے جاتے ہیں جن کو الفاظ نہیں کہا جا سکتا۔ حروف مل کر الفاظ بناتے ہیں لیکن متذکرہ حروف الفاظ نہیں بنتے، حروف ہی رہتے ہیں۔ الگ الگ حروف ہونے کی جہت سے ان کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں یعنی قطع کئے گئے حروف۔ ان حروف کے سلسلے میں (متقدمین سے لے کر متاخرین تک) اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ کثرتِ تعبیر سے یہ خواب ہی پریشان ہو گیا ہے۔

محترم پرویز مرحوم نے لکھا ہے کہ یہ الفاظ (ABBREVIATIONS) ہیں جس طرح انگریزی میں — R.S.V.P یا P.S. لکھا جاتا ہے۔ چنانچہ عربوں کے ہاں بلکہ عبرانی زبان میں بھی یہ چیز ملتی ہے۔ پرویز مرحوم کے مطابق (بہ استثنائے چند) خدا کے اسمِ ذات (اللہ) یا اس کی صفات (الاسماء الحسنیٰ) کے الفاظ سے یہ حروف تراشیدہ ہیں۔ مثلاً الٓمٓ میں اَ اللہ کے لئے، لام علیم کے لئے اور م حکیم کے لئے ہے۔

محترم مودودی مرحوم نے لکھا ہے کہ جس زمانے میں قرآنِ مجید نازل ہوا اس دور کے اسالیب بیان میں اس قسم کے حروفِ مقطعات کا استعمال عام طور پر معروف تھا۔ خطیب اور شعرا دونوں اس اسلوب سے کام لیتے تھے۔ اس عام استعمال کی وجہ سے یہ مقطعات کوئی چیستان نہ تھے بلکہ سامعین بالعموم جانتے تھے کہ ان سے کیا مراد ہے۔

محترم عبداللہ یوسف علی مرحوم نے لکھا ہے کہ یہ الفاظ مختلف شکلوں میں موجود ہیں۔ یہ حرفِ واحد کی شکل میں بھی ہیں اور مجموعہ کی شکل میں بھی بعض سورتوں کے شروع میں ملتے ہیں۔

حرفِ واحد کے حروف، صٓ قٓ نٓ ہیں۔
دو حروف کا مجموعہ، طٰہٰ طٰسٓ یٰسٓ حٰمٓ ہیں۔
تین حروف کا مجموعہ، الٓمٓ الٓرٰ طٰسٓمٓ ہیں۔
چار حروف کا مجموعہ، الٓمٓصٓ الٓمٓرٰ ہیں۔
پانچ حروف کا مجموعہ، کٓہٰیٰعٓصٓ ہے۔

انہوں نے لکھا کہ ان حروف کے متعلق اختلافات ہیں اور یہ کہ یہ الفاظ (MYSTIC) ہیں۔ یعنی ان کا تعلق روحانیات سے ہے۔

مسٹر راشد خلیفہ کے مطابق یہ الفاظ (MYSTERIOUS) مخفی ہیں اور ان کا تعلق قرآن کے اسی عددی معجزہ سے ہے جو انہوں نے بیان کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے اسے دوٹوک ثابت بھی کیا ہے اور اسے مفروضے کے طور پر نہیں چھوڑا۔

اب ہم ان حروفِ مقطعات کو بیان کرتے ہیں۔

ن آ : یہ سورۃ القلم (68) کے شروع میں ہے اور قرآن کریم میں صرف ایک مرتبہ بطور مقطعات آیا ہے۔

اس سورہ القلم میں یہ حرف 133 مرتبہ آیا ہے۔ $19 \times 7 = 133$۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

آیت نمبر	حروف کی تعداد	آیت نمبر	حروف کی تعداد	آیت نمبر	حروف کی تعداد
0	1	19	3	38	2
1	3	20	0	39	4
2	4	21	2	40	0
3	3	22	4	41	3
4	1	23	2	42	3
5	1	24	3	43	3
6	1	25	1	44	5
7	4	26	2	45	2
8	1	27	3	46	2
9	3	28	1	47	2
10	1	29	5	48	2
11	1	30	1	49	4
12	1	31	4	50	2
13	1	32	7	51	7
14	4	33	2	52	1
15	2	34	5	کل تعداد	133
16	1	35	3		
17	6	36	1		
18	2	37	1		

ص

تین سورتوں کے حروف مقطعات میں حرف صٓ آتا ہے۔ سورۃ الاعراف (۷)، سورۃ مریم (۱۹)، سورۃ صٓ (۳۸)۔
ان تینوں سورتوں کے مجموعہ میں حرف صٓ 152 مرتبہ آیا ہے۔ 152 = 8 × 19۔
تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

آیت نمبر	ص کی تعداد	آیت نمبر	ص کی تعداد	آیت نمبر	ص کی تعداد	آیت نمبر	ص کی تعداد
7:1	1	7:50	2	7:106	1	7:168	1
7:2	1	7:52	1	7:107	1	7:170	2
7:7	1	7:56	1	7:117	1	7:174	1
7:11	1	7:58	1	7:119	1	7:176	4
7:13	1	7:62	1	7:124	1	7:179	1
7:16	1	7:68	1	7:126	1	7:184	1
7:21	1	7:70	1	7:128	1	7:189	1
7:22	1	7:73	1	7:130	1	7:190	1
7:29	1	7:74	1	7:131	1	7:192	2
7:32	2	7:75	1	7:133	1	7:193	1
7:35	2	7:77	1	7:137	2	7:194	1
7:36	1	7:78	1	7:138	1	7:195	1
7:37	1	7:79	2	7:142	1	7:196	1
7:42	2	7:85	1	7:143	1	7:197	2
7:43	1	7:86	2	7:144	1	7:198	1
7:44	2	7:87	1	7:145	1	7:201	1
7:45	1	7:91	1	7:146	1	7:202	1
7:46	1	7:93	1	7:156	1	7:203	1
7:47	3	7:100	1	7:157	2	7:204 7:205	1 1
7:48	1	7:101	1	7:160	1	سورہ الاعراف کل تعداد	97

آیت نمبر	ص کی تعداد
19:1	1
19:12	1
19:14	1
19:22	1
19:26	1
19:29	1
19:31	2
19:36	1
19:38	1
19:41	1
19:42	1
19:43	1
19:44	1
19:50	1
19:51	1
19:54	1
19:55	1
19:56	1
19:59	1
19:60	1
19:65	1
19:70	1
19:76	1
19:94	1
19:96	1

سورہ مریم کی کل تعداد 26

آیت نمبر	ص کی تعداد
38:1	1
38:3	1
38:6	1
38:13	1
38:15	1
38:17	1
38:20	1
38:21	1
38:22	2
38:24	1
38:28	1
38:31	1
38:36	1
38:37	1
38:38	1
38:41	1
38:44	1
38:45	1
38:46	2
38:47	1
38:52	1
38:56	1
38:59	1
38:63	1
38:64	1
38:69	1
38:83	1

سورہ ص میں کل تعداد۔ 29

تینوں سورتوں الاعراف، مریم اور ص میں کل تعداد

152 = 29 + 26 + 97

152 = 8 × 19

یٰسٓ

سورہ (36) یٰسٓ میں یہ دو حروف یٰ اور سٓ ہیں۔ اس سورہ میں دونوں حروف کی تعداد کا مجموعہ 285 ہے۔ 285 = 15 × 19۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

آیت نمبر	تعداد یٰ	تعداد سٓ	آیت نمبر	تعداد یٰ	تعداد سٓ	آیت نمبر	تعداد یٰ	تعداد سٓ
0	1	1	3	1	1	6	0	0
1	1	1	4	2	1	7	2	0
2	1	0	5	3	0	8	3	0

آیت	ی	س	آیت	ی	س	آیت	ی	س
9	5	2	33	5	0	58	1	1
10	2	1	34	4	0	59	2	0
11	3	0	35	4	0	60	5	0
12	6	0	36	2	2	61	2	1
13	1	1	37	2	1	62	1	0
14	3	2	38	4	2	63	1	0
15	1	0	39	2	0	64	1	0
16	2	1	40	5	3	65	5	1
17	2	0	41	3	0	66	4	2
18	4	1	42	1	0	67	3	2
19	2	1	43	2	0	68	2	1
20	5	2	44	1	0	69	3	0
21	1	1	45	4	0	70	5	0
22	4	0	46	4	0	71	3	0
23	5	0	47	6	0	72	1	0
24	3	0	48	3	0	73	2	0
25	1	1	49	3	0	74	1	0
26	5	0	50	5	1	75	2	1
27	4	0	51	3	1	76	3	1
28	2	1	52	2	1	77	3	1
29	1	0	53	3	0	78	5	1
30	5	3	54	2	1	79	5	0
31	3	0	55	2	0	80	1	0
32	2	0	56	3	0	81	6	2
			57	2	0	82	3	0
						83	4	1
						کل تعداد =	237	48

یٓ ۔ ۲۳۷ ، سٓ ۔ ۴۸ = 285

نوٹ: گذشتہ صفحات پر ن، ص، یٰسٓ، حروفِ مقطعات کی تفصیل بیان کردی گئی ہے کہ کون کون سا حرف کس کس سورہ اور آیت میں اور کتنی تعداد میں موجود ہے۔ آئندہ حروفِ مقطعات اختصار کے ساتھ (بلاتفصیل) بیان کردوں گا۔ اس لئے کہ ان کی تفاصیل بے حد لمبی ہیں اور بعض جگہ حروف کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے۔ البتہ اگر کوئی صاحب ریسرچ کے شوقین ہوں اور تفصیل معلوم کرنا چاہیں تو وہ خود قرآن مجید سامنے رکھ کر حروف کا مقام چیک کرسکتے ہیں۔ اس کام میں محنت ان کی ہوگی اور سہولت میں مہیا کردوں گا۔ نظر کمزور ہونے کی وجہ سے معذرت خواہ ہوں۔

حٰمٓ

حٰ اور مٓ کے حروف ۷ سورتوں کے شروع میں موجود ہیں۔ سورہ المومن (۴۰) سورہ السجدہ (۴۱) سورہ الشوریٰ (۴۲) سورہ الزخرف (۴۳) سورہ الدخان (۴۴) سورہ الجاثیہ (۴۵) سورہ احقاف (۴۶)۔ ان سات سورتوں میں حروف حٰ مٓ دونوں ملاکر کل تعداد 2147 ہے۔

حٰ کی تعداد 292 اور مٓ کی تعداد 1855

2147 = 1855 + 292 ۔ 2147 = 113 × 19

نمبر سورہ	حٰ	مٓ
40	64	380
41	48	276
42	53	300
43	44	324
44	16	150
45	31	200
46	36	225
کل تعداد	292	1855

2147 = 1855 + 292

عٓسٓقٓ

سورہ الشوریٰ (۴۲) کے شروع میں دو مرتبہ حروفِ مقطعات آتے ہیں۔ آیت نمبر ۱ میں حٰمٓ اور آیت ۲ میں عٓسٓقٓ۔ اس پوری سورہ میں عٓ 98 مرتبہ، سٓ 54 مرتبہ اور قٓ 57 مرتبہ آیا ہے۔

209 = 11 × 19 ۔ 209 = 57 + 54 + 98

الٓمٓ

الٓمٓ کے حروف چھ سورتوں میں آئے ہیں۔

سورہ البقرہ (2)، سورہ العمران (3)، سورہ العنکبوت (29)، سورہ الروم (30)، سورہ لقمٰن (31)، سورہ السجدہ (32)۔

مندرجہ بالا حروف میں سے ا کا شمار بہت مشکل ہے۔ اس لئے کہ یہ حرف تین مختلف شکلوں میں پایا جاتا ہے۔

(1) ا (INDEPENDENT LETTER)۔ (2) ا (EXTENSION VOWEL)

(3) ا (ء کی شکل میں)۔

سورہ نمبر	تعداد تینوں حروف		مجموعہ
2	19 × 521	=	9899
3	19 × 298	=	5662
29	19 × 88	=	1672
30	19 × 66	=	1254
31	19 × 43	=	817
32	19 × 30	=	570
	کل تعداد	=	19874

19874 = 1046 × 19

اس باب میں منفرد چیز یہ ہے کہ اگر ان تینوں حروف ا ل م کو الگ سورتوں میں بھی جمع کیا جائے تو بھی ہر ایک 19 پر تقسیم ہو جائے گا۔

سورہ			
2	9899	=	521 × 19
3	5662	=	298 × 19
29	1672	=	88 × 19
30	1254	=	66 × 19
31	817	=	43 × 19
32	570	=	30 × 19

الٓمٓرٰ

یہ حروفِ مقطعات سورہ الرّعد (13) کے شروع میں ہیں۔ اس سورہ میں

ا	605	مرتبہ
لٓ	480	〃
مٓ	260	〃
رٰ	137	〃 آیا ہے۔
کل تعداد	1472	

1472 = 78 × 19

الٓمٓصٓ

یہ الٓمٓ صٓ کے حروف کا مجموعہ سورہ الاعراف (7) کے شروع میں آیا ہے۔ اس سورہ میں

ا	2529	مرتبہ
لٓ	1530	〃
مٓ	1164	〃
صٓ	97	〃 آیا ہے۔
کل تعداد =	5320	

5320 = 280 × 19

کٓھٰیٰعٓصٓ

یہ پانچ حروف کا مجموعہ سورۂ مریم (19) کے شروع میں ہے۔

کٓ	137	مرتبہ
ھٰ	175	〃
یٰ	343	〃
عٓ	117	〃
صٓ	26	〃 آیا ہے۔
کل تعداد	798	

798 = 42 × 19

اوپر جو حقائق بیان کئے جا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ جو مقطعات مختلف سورتوں کے شروع میں پائے جا ہیں ان میں سے بعض ایک دوسرے کے ساتھ (INTERLOCKED) جڑے ہوئے ہیں۔ مسٹر راشد خلیفہ کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ ان INTERLOCKED حروف کو تلاش کر کے ان کو مرتب کرے تو وہ ابواب کی ایک کتاب تیار کرنا ممکن ہے۔ کرنا صرف یہ ہوگا کہ ان حروف سے ایسے فقرے ترتیب دئے جائیں جن کا کچھ مطلب نکلتا ہے۔

مسٹر راشد خلیفہ کے مطابق سورہ ھود (۱۱) کے شروع میں یہی بات کہی گئی ہے جہاں کہا گیا ہے کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ (۱۱/۱) "یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور مزید بیان کر دی گئی ہیں خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے"۔

اب INTERLOCKED حروف کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

سورہ مریم (۱۹)، سورہ طٰہٰ (۲۰)، سورہ الشعرا (۲۶)، سورہ النمل (۲۷)، سورہ القصص (۲۸) ـــــ ان پانچ سورتوں کے حروف مقطعات میں سے ھٰ، طٰ، سٓ، مٓ کو باہمی جوڑ کر اعداد و شمار سے وہی نتائج سامنے آتے ہیں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی تعداد بھی ہزاروں حروف پر مشتمل ہے۔ اس لئے مختصر بیان کرتا ہوں۔

	ھٰ	طٰ	سٓ	مٓ
سورہ مریم (۱۹)	175	-	-	-
سورہ طٰہٰ (۲۰)	251	28	-	-
سورہ الشعرا (۲۶)	-	33	94	484
سورہ النمل (۲۷)	-	27	94	-
سورہ القصص (۲۸)	-	19	102	460
تعداد	426	107	290	944

کل تعداد ۔ 426 + 107 + 290 + 944 = 1767

1767 = 93 × 19

خلاصہ بحث

اب تک جو حقائق بیان کئے گئے ہیں ان میں سادہ بھی ہیں اور پیچیدہ بھی، ان کو ہر انسان اپنے تعلیمی معیا

کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔ ہر حقیقت جو بیان کی گئی ہے اس سے یہ ٹھوس حقیقت عیاں ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اسے مختلف ناقابلِ تردید طریقوں سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ سادہ حقائق۔

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں 19 حروف ہیں۔

(۲) قرآن کی پہلی وحی میں 19 الفاظ ہیں۔

(۳) قرآن کی آخری وحی اذا جاء نصر اللہ ..... میں 19 الفاظ ہیں۔

(۴) قرآن کی 114 سورتیں ہیں جو 19 پر تقسیم ہوتی ہیں۔ 114 = 6 × 19

(۵) قرآن کی آخری سورۃ سے شروع کر کے پیچھے کی طرف گنتی کریں تو وہ سورۃ آتی ہے جس میں پہلی وحی موجود ہے۔ (اقرا) اور اس کی پوزیشن 19 ہے۔

(۶) قرآن کی پہلی وحی کی سورہ (96) کے 19 الفاظ ہیں۔

(۷) قرآن کی پہلی وحی کے 19 الفاظ میں 76 حروف ہیں۔ 76 = 4 × 19

(۸) قرآن کی پہلی وحی والی سورہ اقرا (96) کی پوری سورہ میں 285 حروف ہیں۔ 285 = 15 × 19

(۹) قرآن کی (OPENING STATEMENT) یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں پہلا حرف اسم ہے اور یہ لفظ قرآن میں 19 مرتبہ آیا ہے۔

(۱۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں دوسرا لفظ اللہ ہے جو پورے قرآن میں 2698 مرتبہ آیا ہے۔

2698 = 142 × 19

(۱۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں تیسرا لفظ رحمٰن ہے جو پورے قرآن میں 57 مرتبہ آیا ہے۔ 57 = 3 × 19۔

(۱۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں چوتھا لفظ رحیم ہے۔ یہ پورے قرآن میں 114 مرتبہ آیا ہے۔ 114 = 6 × 19۔

(۱۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے الفاظ سورہ التوبہ (۹) کے شروع میں موجود نہیں۔ گویا کل سورتوں کی تعداد جن کے شروع میں بسم اللہ ..... موجود ہے، 113 ہے جو کہ 19 پر تقسیم نہیں ہو سکتے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے (27 : 30) کے اندر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم موجود ہے جس نے یہ کمی پوری کر دی ہے ——

114 = 1 + 113 ، 114 = 6 × 19۔

(۱۴) سورہ التوبہ (۹) جس کے شروع میں بسم اللہ ..... موجود نہیں گنتی شروع کر کے سورہ النمل (27) تک آئیں جس کے اندر بسم اللہ ..... موجود ہے تو اس فاصلہ کے 19 نمبر بنتے ہیں۔ (9 تا 27) = 19 عدد۔

(۱۵) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پہلا حرف ب ہے اور پہلا لفظ اسم ہے۔ ب کے حرف کو چھوڑ کر تمام حروف وہ ہیں

جو حروف مقطعات میں شامل ہیں۔

(۱۶) قرآن کی دوسری وحی میں 38 الفاظ ہیں۔ $2 \times 19 = 38$۔

(۱۷) قرآن کی تیسری وحی کے الفاظ 57 ہیں۔ $3 \times 19 = 57$۔

(۱۸) قرآن کی چوتھی وحی کے اندر ۱۹ کا ہندسہ موجود ہے۔

(۱۹) آیت (74 : 30) کے اندر ۱۹ کا ہندسہ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ۱۹ حروف ۱۹ کے کوڈ کی بنیاد ہیں۔

(۲۰) ۱۹ کے کوڈ کی بنیاد یہ ہے۔ ۱۹ کا عدد خدائے واحد کی طرف اشارہ ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ہندسوں کی ایجاد سے پیشتر عربی الفاظ بطور ہندسوں کے استعمال ہوتے تھے۔ ا (۱) کے لئے' ب (2) کے لئے' ج (3) کے لئے' د (4) کے لئے' ہ (5) کے لئے' و (6) کے لئے' ز (7) کے لئے' ح (8) کے لئے' ط (9) کے لئے اور ی (۱۰) کے لئے۔

لفظ واحد کے حروف و ا ح اور د ہیں۔ $\frac{و}{6}\ \frac{ا}{1}\ \frac{ح}{8}\ \frac{د}{4}$ ۔ $4+8+1+6 = 19$

نوٹ: یہ واضح نہیں ہے کہ وحی ۲ اور وحی ۳ کونسی ہیں اور اس کے علاوہ نمبر ۲، ۳ اور ۴ کیسے دیئے گئے ہیں۔ یہ معلوم کرنا پڑے گا۔

پیچیدہ حقائق جو بیان ہو چکے ہیں یہ حروف مقطعات کے متعلق ہیں جو قرآن کی ۲۹ سورتوں کے آغاز میں موجود ہیں۔ ان حروف کے ۱۴ سیٹ ہیں۔ ان کے اعداد و شمار سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

۱۔ قرآنِ کریم اللہ کی طرف سے نازل ہوا تھا۔

۲۔ قرآن کے حروف اس صحت کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں کہ ان میں ذرہ بھر تبدیلی ناممکن ہے۔

حقائق و عبر

رشوت کیسے بند ہو سکتی ہے؟

(طلوعِ اسلام مئی۔ جون ۱۹۸۲ء سے ایک اقتباس)

قارئین کی طرف سے ہمارے پاس جو استفسارات آتے ہیں ان میں نصف سے زیادہ کا تعلق اس سوال سے ہوتا ہے کہ ... کیسے بند ہو سکتی ہے؟ رشوت ستانی کے خلاف افرادِ معاشرہ ہی نوحہ کناں نہیں، اربابِ نظم و نسق بھی اکثر و بیشتر روتے ہیں، لیکن اس کی روک تھام کے لئے ایسے ہی بے بس نظر آتے ہیں، جیسے برسات کے دنوں، دریاؤں کے سیلاب دہانے میں۔ اس سلسلہ میں تجاویز بھی اکثر پیش ہوتی رہتی ہیں لیکن اوّل تو ان پر عمل ہی نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو ... کا کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ — مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی — یہ اس لئے ... تجاویز علاماتِ مرض کا علاج سوچتی ہیں، علّتِ مرض کی طرف کسی کا خیال نہیں جاتا۔

پرویزؒ صاحب اپنی ملازمت کے تجربات ضبطِ تحریر میں نہ لا سکے۔ لیکن رشوت ختم کرنے کے ضمن میں انہوں نے ... واقعہ بیان کیا جو فی الحقیقت اس مرض کی صحیح تشخیص بھی ہے اور مؤثر علاج بھی بلکہ یوں کہیئے کی جس طرح ... مؤثر مہم کے بعد ہمارے ملک سے چیچک کے مرض کا نام و نشان تک مٹ گیا ہے، اس طرح، اس علاج سے رشوت ... مہلک ترین مرض کے امکانات تک ختم ہو سکتے ہیں۔ اور وہ واقعہ انہی کے الفاظ میں یوں ہے:۔

"تقسیمِ ہند کے بعد جب دفاتر کراچی آئے، تو حکومتِ پاکستان نے ایک کمیشن مقرر کیا کہ وہ ملازمین حکومت کے لئے تنخواہوں کے سکیل متعین کرنے کی سفارشات کرے۔ (جسٹس) محمد منیر (مرحوم) اس کمیشن کے چیئرمین تھے، سیکرٹریٹ کے ملازمین کے امورِ ملازمت کا تعلق مجھ سے تھا۔ کمیشن نے اس حیثیت سے مجھے بھی شہادت کے لئے بلایا۔ وہاں حسبِ ذیل سوال و جواب ہوئے:

سوال: آپ کے خیال میں سیکرٹریٹ کے ملازمین کی تنخواہوں کا سکیل کیا ہونا چاہیئے!

جواب: سوال یہ نہیں کہ آپ کے خیال میں یا میرے خیال میں یہ سکیل کیا ہونے چاہئیں۔ یہ خیال کی بات نہیں۔ یہ واقعاتی مسئلہ ہے۔ لہٰذا، ہمیں سوچنا اور فیصلہ یہ کرنا چاہیئے کہ درحقیقت ان کی تنخواہیں کیا ہونی چاہئیں اور ان کے تعین کا معیار کیا۔

سوال: تو پھر آپ ہی بتائیے کہ فی الحقیقت یہ سکیل کیا ہونے چاہئیں؟

جواب: جب کوئی شخص پہلے پہل ملازمت اختیار کرتا ہے تو اسے ایک عہدنامہ کا فارم پُر کرنا ہوتا ہے جس میں (منجملہ دیگر امور) لکھا ہوتا ہے کہ میں چوبیس گھنٹے کا ملازم سرکار ہوں اور دورانِ ملازمت میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جس سے مجھے کچھ آمدنی ہو۔ (معلوم نہیں کہ اب بھی ایسا فارم پُر کرایا جاتا ہے یا نہیں۔ اس زمانے میں ایسا فارم ہوتا تھا۔ یہ فارم اس وقت بھی ہو یا نہ ہو، اس قسم کی قانونی پابندی بہرصورت اب بھی ہے)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ملازمت اختیار کرنے کے بعد، ملازم سرکار کا (جائز) ذریعہ آمدنی صرف اس کی تنخواہ ہوتی ہے۔ اس میں اسے اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنی ہوتی ہیں۔ لہٰذا، اس کی تنخواہ اتنی ہونی چاہیئے جس میں اس کی اور اس کے ان متعلقین کی ضروریاتِ زندگی پوری ہو جائیں جن کی کفالت اس کے ذمے ہے۔

سوال: اس کا تعین کس طرح سے ہو؟

جواب: یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ آپ حضرات گھر بار والے ہیں۔ اس لئے آپ کو معلوم ہے کہ ایک گھرانے کی ضروریاتِ زندگی کیا ہوتی ہیں۔ ایک نوگرفتار ملازم کے گھرانے کے کم از کم افراد (میاں بیوی۔ دو بچے) بنیاد بنا کر، ضروریات کی فہرست لیکر بازار چلتے ہیں اور اشیائے ضروریہ کی قیمتیں معلوم کر لیتے ہیں۔ ان میں تعلیم، علاج وغیرہ کے اخراجات شامل کرنے کے بعد، جو میزان ہو، وہ اس کی ابتدائی تنخواہ ہونی چاہیئے۔ جس نسبت سے اس کے افرادِ خاندان اور ان کی ضروریات میں اضافہ ہو، اسی نسبت سے اس کی تنخواہ میں اضافہ ہوتے چلے جانا چاہیئے۔ اسے اس کی تنخواہ کا سکیل کہہ لیجئے۔

سوال: تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ ملازمین کی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کی ذمہ داری حکومت اپنے سر پر لے! یہ تو مشکل ہے۔

جواب: حیرت ہے کہ حکومت، قیدیوں کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کی ذمہ داری تو اپنے سر پر

لیتی ہے کیونکہ ان کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہوتا۔ لیکن اپنے ملازمین کا پورا وقت خرید کر اور ان پر دیگر ذرائع آمدنی کے دروازے بند کر کے، ان کی ضروریات کی ذمہ داری اپنے سر پر نہیں لے سکتی! سوچیئے کہ اگر حکومت ایسا نہیں کرتی اور انہیں اتنا نہیں دیتی کہ وہ اس سے اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکیں، تو وہ سانپ کے بچے تو ہیں نہیں کہ مٹی کھا کر گزارہ کر لیں گے! وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دیگر (خلافِ قانون) ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے!

کمیشن :۔ بہت اچھا۔ ہم اس پر غور کریں گے اور آپ کو دوبارہ تکلیف دیں گے۔ آپ کا شکریہ!

پرویزؒ صاحب نے بتایا کہ اسی شام ان کے سیکرٹری نے (جو ایک انگریز تھا) انہیں بلایا اور کہا کہ "تم نے کمیشن سے کیا کہا تھا؟" میں نے کہا کہ کیوں؟ کیا بات ہوئی۔ اس نے کہا کہ کمیشن نے کہا ہے کہ "آپ لوگوں نے شہادت کے لئے کس شخص کو بھیجا وہ تو کمیونسٹ ہے؟" میں نے سیکرٹری کو اپنی "کمیونزم" کی روئداد سنائی تو وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ پھر تو کمیشن سچ کہتا ہے!

اس کے بعد کمیشن نے مجھے "تکلیف نہ دی" اور اس کے تجویز کردہ سکیل کی رُو سے کلرک کی تنخواہ ساٹھ روپے ماہوار مقرر ہو گئی۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد، انسدادِ رشوت ستانی کا محکمہ وجود میں آ گیا۔ وہ دن اور آج کا دن۔ ان "سانپ کے بچوں" اور "سپیروں" میں ریس چلی آ رہی ہے۔ رشوت سیلاب کی طرح بڑھ رہی ہے اور اسی نسبت سے اس کے انسداد کے عملہ میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس سے قیامت تک رشوت ستانی کا انسداد نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ علتِ مرض کا علاج نہیں۔ علتِ مرض کا علاج یہ ہے کہ حکومت، اپنے ملازمین اور ان کے متعلقین کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کی ذمہ داری لے اور یہ ذمہ داری ان کی مدتِ ملازمت کے دوران تک ہی نہ ہو بلکہ ملازمت کے بعد بھی، جب تک ان کے ذرائع آمدنی ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے مکتفی نہ ہوں، یہ ذمہ داری جاری رہے۔ حکومت یہ کرے اور اس کے بعد اگر کوئی ملازم، ناجائز طریق سے ایک پیسہ بھی حاصل کرے، تو اُسے خواہ پھانسی کے تختے پر لٹکا دے!

پرویزؒ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے جو تجویز کمیشن کے سامنے پیش کی تھی وہ میرے ذہن کی اختراع نہیں تھی۔ وہ قرآنِ کریم کی تجویز فرمودہ تھی۔ قرآنِ کریم کے معاشی نظام کی رُو سے، معاشرہ کے جملہ افراد کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کی ذمہ داری مملکت کے سر پر عائد ہوتی ہے (اور ظاہر ہے کہ عمّالِ حکومت ان میں سرِفہرست ہوں گے) اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس کے جو تباہ کن نتائج برآمد ہوں گے انہیں حضورؐ نبی اکرمؐ نے نہایت دل نشین انداز میں، ایک مثال کے ذریعہ یوں سمجھایا ہے کہ

"کچھ لوگ ایک کشتی پر سوار ہوئے۔ ان میں سے کچھ اوپر کے حصے میں پہنچ گئے۔ کچھ نیچے کے حصے میں۔ جو نچلے حصے میں تھے وہ پانی لینے کے لئے اوپر گئے تو انہوں نے انہیں پانی لینے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ اس سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ نیچے والوں نے کہا کہ بہت اچھا!

ہم نیچے سوراخ کر کے پانی لے لیں گے۔ اب اگر ان نیچے والوں کو پانی دے کر اس سے روکا نہ جائے تو ظاہر ہے کہ اوپر اور نیچے والے سب غرق ہو جائیں گے۔ اگر روک دیا جائے تو یہ سب بچ جائیں گے۔" (ترمذی)

پیاسے کا علاج پانی ہے کوڑے نہیں۔ رشوت ہی نہیں، جملہ معاشی فسادات کا علاج قرآن کا معاشی نظام ہے۔ دنیا جو چاہے کر کے دیکھ لے۔ اسے آخر الامر یہی نظام اختیار کرنا پڑے گا۔

رابطۂ باہمی ــــ صفحہ ۶۰ سے

پسند کیا گیا۔

جناب علامہ پرویزؒ نے قرآنِ کریم کی رُو سے مساوات، اتحادِ امت، اخوت، اور جذبۂ یک جہتی پر زور دیا اور ان تمام عوامل کی بنیاد قرآنی تعلیمات کو قرار دیا۔ علامہ اقبالؒ کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا اور بتایا کہ انہوں نے امتِ مسلمہ پر کس قدر احسانات کئے جواب تک ان کے کلام کی صورت میں موجود ہیں اور بقول علامہ اقبالؒ۔ اقبالؒ کے شعر کب پھیکے پڑیں گے۔ خود ہی جواب دیا کہ جب لوگ قرآنِ کریم کو سمجھنے لگیں گے تو میرے شعر پھیکے پڑ جائیں گے۔ سامعین نے لیکچر کو بہت پسند کیا۔ اس طرح تقریب اختتام کو پہنچی۔

نقد و نظر

حنفی اور شیعہ قانونِ وراثت پر ایک نظر

(قرآنِ مجید کی روشنی میں)

○

کتاب ہذا کا مصنف ایک لاگریجوایٹ اور قرآنِ مجید سے گہرا والہانہ تعلق رکھنے والا طالب علم ہے۔ کتاب میں مروّجہ اسلامی قوانینِ وراثت (حنفی اور شیعہ) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی گئی ہے جس سے ان قوانین کا منشاء قرآنی کے خلاف ہونے کا تعجب خیز انکشاف ہوتا ہے۔ بات مثالوں سے واضح کی گئی ہے اور ان غلط نتائج، جن کی رو سے حقیقی اور اقرب ترین ورثاء کو حقِ وراثت سے محروم کیا جاتا ہے، کے پس منظر کا جائزہ لیا گیا ہے جو صریحاً قرآن کی لفظی اور معنوی تحریف پر منتج ہوتا ہے۔ علماء حضرات کے لئے دعوتِ غور و فکر ہے۔

"عول" کا مسئلہ بھی صاحبِ بصیرت علماء کی توجہ کا متقاضی ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ متذکرہ بالا ہر دو مکتبۂ فکر قرآنِ کریم کو اوّلین اور محکم ترین ماخذِ قانون سمجھتے ہوئے تقسیمِ وراثت میں مختلف نظریات اپناتے ہیں۔ اگر ایک مکتبِ فکر کے فقہاء کسی وارث کو حصّہ دلاتے ہیں تو اسی صورت میں دوسرا مکتبِ فکر اپنی فقہ میں اسے محروم قرار دیتا ہے۔ مثلاً شیعہ قوانینِ وراثت میں نواسہ متوفّی کے بھائی کو محروم کرتا ہے تو حنفی قوانین میں بھائی کل ترکہ کا وارث قرار پاتا ہے۔ حالانکہ قرآنِ کریم کا دعویٰ ہے کہ اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہی یہی ہے کہ اس میں کہیں تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا اتباع کرنے والوں میں اختلاف کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ لیکن دونوں فرقوں کے مرتّبہ قوانین میں اختلاف موجود ہے۔ وجوہات کی نشاندہی کتاب میں کر دی گئی ہے بشرطیکہ پوری توجہ سے اس کا مطالعہ کیا جائے۔

بہرحال وکلاء طبقہ بالخصوص جنہیں وراثت کے مقدمات سے واسطہ پڑتا ہے اور قرآنِ کریم کے ریسرچ سکالرز کے لئے کتاب ہذا کا مطالعہ نہایت اہم اور مفید رہے گا۔ کتاب مختصر طور پر کل ۱۷ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی ظاہری گیٹ اپ کے مقابلہ میں قیمت (۲۰ روپے) بہت معمولی ہے۔ کتاب عام مارکیٹ میں دستیاب ہے یا ناشر سے براہِ راست ۴۴، راوی بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

بچوں کا صفحہ

اسلامی معاشرت
علامہ غلام احمد پرویزؒ

وعدہ

وعدہ یہ نہایت ضروری ہے کسی سے جو وعدہ کرو اسے پورا کرو۔ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (۱۷/۳۴) "ہمیشہ وعدہ پورا کرو۔ تم وعدہ کرکے اس کے پورا کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لیتے ہو۔"

معاہدہ اسی طرح دوسری قوموں سے جو معاہدہ کرو اس کی پابندی کرو۔ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ (۵/۱) "معاہدوں کی پابندی کرو۔"

معاشرہ کا سارا کاروبار باہمی اعتماد اور بھروسہ پر چلتا ہے۔ اور بھروسہ اسی صورت میں قائم رہتا ہے جب ہر شخص اپنے وعدے پر قائم رہے اور ہر قوم اپنے معاہدے کو پورا کرے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو سب معاملات بگڑ جائیں گے اور ہر جگہ فساد پھیل جائے گا۔

وعدہ کی بابت یہ نہ سمجھو کہ بڑی بڑی باتوں کے متعلق جو وعدہ کیا جائے اس کی پابندی تو ضروری ہے اور روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا کیا ہے؟ یہ غلط ہے۔ وعدہ، وعدہ ہی ہے خواہ چھوٹی بات کے متعلق ہو یا بڑی بات کے متعلق۔ مثلاً اگر تم نے کسی سے کہا ہے کہ میں چار بجے آجاؤں گا تو یہ بھی

وعدہ ہے ۔ اس کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر تم دیکھو کہ اسے کسی وجہ سے پورا نہیں کر سکو گے تو اس کی بابت دوسرے کو اطلاع دینی چاہیئے۔

رابطۂ باہمی

بزمِ طلوعِ اسلام سندھ و ہائٹ کمرشل کمپلیکس شارع فیصل کراچی کے زیرِ اہتمام یومِ اقبالؒ کے موقع پر ایک سادہ اور پُروقار تقریب کا انعقاد ہوا جس میں اقبالؒ کی دینی و ملی جدوجہد کو خراجِ تحسین پیش کرنا مقصود تھا اور کلامِ اقبالؒ کے مختلف گوشوں کو سامنے لانا تھا جسے انہوں نے حقیقت کے انکشاف کے لئے استعمال کیا۔ تقریب کا آغاز تلاوتِ قرآن کریم سے ہوا۔ تلاوتِ کلامِ پاک جناب عبید اللہ ثاقب نے کی اور مفہوم بھی پیش کیا۔

اس کے بعد کلامِ اقبالؒ الفاروق پبلک اسکول قصبہ کے پانچویں کے طالب علم مجاہد فاروق نے بڑے ترنم کے ساتھ پیش کیا جسے بہت پسند کیا گیا۔

کلامِ اقبالؒ کے بعد بی اے کے طالب علم جناب قادر خاں سیماب کو اظہارِ رائے کی دعوت دی گئی جنہوں نے قاسم نوری صاحب کے مضمون "اقبالؒ کافر کیوں کہلایا" کو پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اقبالؒ قرآن کی جانب کیسے راغب ہوا۔ امام جہد بن درہم، والیٔ عراق۔ خالد بن عبداللہ کے مشہور واقع کی روشنی میں اقبالؒ کے فکر و عمل اور اس کے نتیجہ میں اسے کافر قرار دیئے جانے پر تبصرہ کیا کہ قرآن پیش کرنے والوں پر کفر کے فتوے کوئی نئی بات نہیں بلکہ بہت پہلے چلی آ رہی ہے۔ اقبالؒ کا جرم بھی صرف یہ تھا کہ اس نے کہا۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

لیکن اقبالؒ ان کفر کے فتووں کی چھاؤں میں بڑے سکون سے اپنے کام پر ڈٹا رہا اور فکرِ قرآنی کی شمع کو جلائے رکھا اور اسے حتی المقدور قوم کے سامنے لائے یہاں تک کہ نظریۂ پاکستان کی شکل میں تحریک بن گئی اور اس کے نتیجہ میں سخت مخالفت اور فتووں کی علی الرغم پاکستان عالمِ وجود میں آیا۔

اس کے بعد پروگرام کے منتظم ڈاکٹر محمد اسلم نوید نے کلامِ اقبالؒ کے مختلف گوشے سامعین کے سامنے پیش کئے۔

ان کے بعد جناب علامہ غلام احمد پرویزؒ کا وڈیو پر خصوصی لیکچر "بیادِ اقبالؒ" پیش کیا گیا جسے سامعین نے بہت زیا

بقیہ صفحہ ۵۷

اور اب حاکم علی زرداری بھی!

پرچہ پریس میں جا رہا تھا کہ جناب حاکم علی زرداری رکن قومی اسمبلی کا یہ بیان نظر سے گذرا۔

"مسلم لیگ کے منشور میں کبھی یہ بات نہ تھی کہ پاکستان اسلامی ریاست ہوگی۔ قائداعظم نے پاکستان کو سیکولر سٹیٹ قرار دیا تھا۔ ان کا وزیر جوگندر ناتھ منڈل اور وزیر خارجہ قادیانی تھا۔ آج یہ پاکستان کے مالک نہ بنیں۔ پاکستان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ یہاں لا الہ الا اللہ ہو۔"

(روزنامہ جنگ۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۹۳ء)

طلوعِ اسلام

یہی باتیں اس سے پہلے جسٹس منیر بھی کہہ چکے ہیں۔ ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ قومی اسمبلی میں موجود دوسرے اراکین اسمبلی نے جناب حاکم علی زرداری کے اس بیان کا کس حد تک نوٹس لیا اور نہ ہمیں کسی سیاسی پارٹی سے کوئی سروکار ہے ــــ لیکن ہم پاکستان کی اساس "نظریۂ پاکستان" کا تحفظ اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں اور آئندہ شمارہ میں اس کا بھرپور انداز میں دفاع کریں گے۔

۱۸۰ صفحات پر مشتمل جناب محمد یعقوب تاجیک صاحب کی کتاب "جنس اور زوجیت" ۴۲ روپے میں ادارہ سے بھی دستیاب ہے۔

am what system do we adopt that would be completely Islamic while at the me time, capable of catering for the needs and standards of the modern age.

The only truly Islamic form of government was the one established in edina by the Prophet (PBUH) himself and which lasted only a few years after demise. That was 1400 years ago. Never again has that system been revived d re-established anywhere in the world. For such a revival today it would be cessary to evolve a more or less new system. Reputed men of learning, who also well versed in the Quran should put their heads together and evolve a table system.

It must be remembered, however, that God the Almighty the All-wise k 23 years to complete and perfect His Deen. It would be unwise and futile us to introduce and establish the system overnight.It must also be borne in d that it will never do to adopt one of the existing systems of the world and erimpose it with the principles of Islam. That would only be an adulterated tem. There is a saying in the Bible, "**Never throw out your dirty water l you have got in your clean one**". But, adds sage *Bernard Shaw* "**Please throw away your dirty water when you have got in the clean one**". ***On account let the two get mixed.***"

There are many more principles of the political system of Islam. Discussing all of them would be beyond the scope of this treatise which has to be confined to only those important aspects of the Islamic or the democratic system which are highly incompatible.

Summing up

In all other political systems of the world, except that of Islam, man has ruled over man whether it is one man, a group of men or a majority of them. This resulted in exploitation of man by man, which none of these systems has been able to eliminate. The ironic beauty of the democratic system is that it has made man a willing party to his own exploitation under the euphemistic belief that he is his own ruler. Islam caused a revolution in thought and action by declaring that sovereignty belonged to Allah and Allah alone and thus put an end to all exploitation. Man was only His agent to govern (not to rule) in accordance with His Laws. All other essentials of the Islamic political system , equality of men, justice, provision for the growth and development of man's physical body as well as of self (personality), placement of ones surplus wealth at the disposal of the needy etc, etc spring from this basic essential.

As for western democracy that is perhaps the surest and fastest way of going astray. Says the Quran:

"Wert thou to follow
The common run of those
On earth, they will lead
Thee away from the Way
Of God. They follow nothing
But conjecture: they do
Nothing but lie ". (6:116)

Where do we go from here.

Since, as shown above, Western Democracy, the best system of government evolved so far by man, is not at all close to the political system of

His and thus set up peers to Allah. Be not of those who create cleavage in the *Deen* and divide themselves into sects, each sect being obsessed with its own view of it". (30:31-32). And again, "Those who create cleavage in *Deen* and divide themselves into sects (O Messenger of Allah) you have nothing to do with them".(6:159).

Thus we see that democracy can not function without political parties, whereas in the Islamic System there is no place for them. This is another important aspect that makes the two systems incompatible.

V. Universalism.

The Quran says "Mankind was one single nation, and *Allah* sent messengers with glad tidings and warnings and with them He sent the Book in Truth to judge between people in matters in which they differed". The Quran affirms the unity of mankind and disapproves division of people into superior or inferior groups on the basis of colour, race, caste, creed or nationality. It tells us that mankind is but one community. The first and foremost task of an Islamic Society is to preserve and enhance this unity. The Quran addresses the believers as constituting "the best community that hath been raised for the benefit of mankind".(3:109). And we are reminded of our duties to mankind in these words, "And thus we made you an international people that you may keep an eye on what mankind does". (2:143). The Muslim Community, the *Ummah*, is thus entrusted with the task of leading mankind to its goal, to establish the '*Deen*', *Allah's* system of life for mankind as the best and most superior of all the systems of the world. The political system of Islam, therefore, does not confine itself to the physical boundaries of a nation state but transcends all such boundaries to envelop in its fold all the Believers as members of the Universal *Ummah*. The true Islamic State is thus not afflicted with the curse of nationalism as are other political systems like Western democracy. Nationalism is perhaps the one single factor which has stood in the way of the establishment of successful functioning of world organizations like the League of Nations and the United Nations for the benefit of mankind as a whole ---- Here thus is still another factor which makes the Islamic System incompatible with that of democracy.

٭ ۲۵ جون ۱۹۸۵ء ۔ یہ دن او کا پورا ، ہے جس میں باقی سب کا ... ۱۹۸۵

lie signs for those who are wise. If the *Shoora* were invested with powers like the parliament it would be ridden with all the ills the Parliament and its members are heir to --- namely only those with vested interests and lots of wealth at their disposal could become its member. And may be the curse of *horse-trading* would also be rampant among them.

Thus we see that even in this essential of the Islamic political system, the *Shoora* there is no commonality with the democratic system in which the parliament is a sovereign body with powers to change, make or unmake any or all laws even those of a fundamental nature.

IV. Party System.

In the Islamic social order distinction between man and man on the basis of caste, race, nationality and language is forbidden. According to the Quran there is only one criterion for the division of mankind ---- ideology. Those who believe in the fundamental values of the Quran belong to one group. Those who do not belong to the other: "It is He Who has created all of you, some of you are non-believers and some of you are believers". (64:2)

The Believers constitute the Ummah which is one indivisible party. There can be no other party among the believers. Another party, as already stated above could only be of non-believers. Such a party would consist of those who reject the constitution which in the Islamic State is based on a firm belief in the permanent values and injunctions of Allah's Deen as contained in the Quran, and cannot therefore be allowed to have a say in the affairs of the government. Nor can it function as an opposition party. Not having accepted the constitution the question of their ever assuming power does not arise. Without this hope no opposition party can survive for long, and is in fact redundant and purposeless. There is thus no place for party system in the Constitution of an Islamic State. One-ness of *Ummah* is the basic requisite."O you who believe! Hold fast, all of you together the cable of Allah (i.e the way of life *Allah* has prescribed for you) and be not divided among yourselves" (3:103). The presence of political parties and religious sects within this party is 'Shirk' (Polytheism ---- joining gods with *Allah*). Says the Quran, "Turn unto Him and be afraid, establish salat (a social order based on His laws) and be not among those who follow laws other than

Himself, the Rasul whose job it was to impart instruction and training in accordance with the Ayat (verses) of the Holy Quran and thus create a band of devoted Believers well versed in scriptures and capable of putting *Allah*'s Plan of establishing His '*Deen*' (system of life) as the best and most superior of all the other systems of the world. Thus the first central authority (agency) was the Rasul himself. His successors inherited this central authority after his death. *Hazrat Abu Bakar Siddique* (the first Caliph) performed the same function as the *Rasul* (pbuh) himself during his life time. Thus when it is said, "O ye who believe! obey *Allah* and obey the *Rasul* and those charged with authority among you", the term 'obey the *Rasul*' means the *Rasul* during his life time, the Caliphs succeeding him and the subsequent heads of truly Islamic States as *Allah's* agencies for enforcing the Divine Laws. The Quran does not lay down any precise method of appointing the head of the Islamic State (the central authority) but as the agent for enforcing Allah's system of government he has to be the best among the band of devoted Believers. At the death of the Rasul it was this very band of Believers known as the 'Companions' who elected/selected *Hazrat Abu Bakar* as the first Caliph. (This system continued till the Caliphate was replaced by hereditary kingship). It was the function of the Head of the State to promulgate the permanent injunctions and values embodied in the Quran as Fundamental Laws. But it must be remembered that the Quran mainly gives guidelines only and does not always provide all the details that might be necessary to give a complete practical shape to a particular law. This function of promulgating what may be called Subsidiary Laws is to be performed through 'mutual consultation'. Consultation was enjoined upon the Rasul in day to day matters and in affairs of the moment, "Consult them in affairs (of moment). Then when you have taken a decision, put thy trust in Allah (i,e enforce it whole-heartedly and with firmness") (3:158)

Although the Quran does not provide the precise machinery for consultation and has left it at the discretion of the Central Authority and the *Ummah*, one thing appears to be definite. Unlike the parliament in the democratic form of government the Islamic *Shoora* is consultative and advisory. Its advice is not binding. This view is strengthened from a close study of the above quoted verse ---- "Consult them. Then when you have taken a decision.....". And to quote the oft repeated words of the Quran Herein

Democracy where sovereignty lies in the people who have the authority to make, alter or annul any or all laws simply by a majority vote.

II. Sovereignty in Practice.

God, however, is the Absolute, the Transcendental Reality. How can we obey him if we cannot contact him? The answer is, by observing his Laws as given in the Quran. This is why the *Rasul* was asked to declare "Shall I seek other than *Allah* for Judge when He it is Who hath revealed unto you this Book fully explained". (6:115).

Again, "Follow the revelation given unto you from your *Rabb* and follow not as friends and protectors other than Him". (7:3)

At another place it is stated. "We have sent down to thee the Book in truth that you might establish the rule between men, as guided by Allah". (4:105)

Sura Baqra which comprises a gist of nearly all the Quranic subjects begins, "This is the Book in which there is no ambiguity: in it is guidance for those who seek the truth and follow the straight path". (2:2)

Thus is established the Quran which contains the '*Deen*', the system of life chosen by Allah for mankind as the basis for the Constitution of the Islamic State.This vital essential of the Islamic Political System is also completely antagonistic to the concept of Western Democracy which being completely secular does not permit religion (*Deen*) any say in the affairs of the State. In the Islamic State on the other hand the '*Deen*' is the foundation on which its entire structure is built:

جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی (علامہ اقبالؒ)

It does not, however, mean that the Islamic State is theocratic in nature. Far from it. There is no place for priests in a truly Islamic State.

III. The Central Authority and Shoora.

The 'Book' (The Quran) can not rule itself. It needs an agency ----- an authority to enforce the Laws of *Allah*. The first agency was chosen by Allah

complete bewilderment has gone fully secular and adopted democracy with all its apparent faults and shortcomings as the least objectionable form of government. So much so that even we in Pakistan which claims loudly to be an Islamic State have adopted the same form of government. Of course we have a peculiarly confused type of democracy a mixture of democracy and theocracy -- laws pertaining to religious matters being the domain of the priest (Shariat Court) and not of the Parliament which strangely enough is said to be supreme --- the sort of conditions that prevailed in Europe at the time of Reformation.

Having traced the origin and development of various forms of government culminating in the establishment of democracy let us now consider the essentials of the Political System of Islam and determine how close or how far it is, to the modern concept of Western Democracy.

ESSENTIALS OF AN ISLAMIC STATE

I. Sovereignty

The first and fundamental essential of an Islamic state is that sovereignty belongs to Allah: "Say: O Muhammad! What has come to me through revelation is that your sovereign is One God only" (21:108). The same is meant by the words. There is no God but ***Allah***".

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

It is further explained: "The command is for none but Allah. He has commanded that you do not accept the subservience of anybody except Him. That is the straight and balanced way of life, but most men understand not". (12:40)

And again, "It is not for any human being unto whom Allah has given the scripture and wisdom and the Divine Message that he should afterwards have said to mankind, 'Be subservient to me instead of Allah' ". (3:78)

Thus we see that the very first and fundamental essential of the Political System of Islam is vehemently opposed to the modern concept of Western

of government, morality also somehow got bracketed with it and became the private affair of the individual along with religion. The unfortunate result was that man in his political life was left with no stable frame of reference and no objective standard to guide him. The view of the majority was the only measure of the rightness of action. The wise utterances of sages like George Bernard Shaw, " If fifty million people say a foolish thing it would still be a foolish thing" fell on 50 million foolish ears. Thus the Might of Kings and despots was inherited by the people and continued to be regarded as right.

Fortunately perhaps, the general trend amongst modern thinkers in the West now is that it is wrong to accept the majority decision as right in all circumstances. An objective standard for judging human action is needed. The Italian patriot Mazzini after praising universal suffrage for guarding people against forces of destruction goes on to say that in a people who have no common beliefs all that democracy can do is to safeguard the interests of the majority and keep the minority subdued. We can, he adds, be subject to God or man, one man or more than one. If there be no superior authority over man what is there to save us from the subjugation of powerful individuals. Unless we have some sacred and immutable law which is not man-made, we can have no standard for discriminating between right and wrong. Without God whosoever be in authority will be a despot.

But where is one to find such laws. The source will have to be supra-human ---- the laws given by God Himself. The West had naturally to seek the help of religion to ascertain such laws. They turned to Christianity, but Christianity had no laws to give, as it is all other-worldly. The same was the case with other religions. The West being predominantly Christian consider the Bible as the final word of God. The Quran which came later is not regarded by them as a Divinely Revealed Book. So they never looked for the solution there ---- at least not in real earnest. In fact it is futile to look for a solution in religion. The Deen ---System of life prescribed by Allah for mankind and sent down to us from time to time through His Messengers has been completely converted by man into so many man-made religions ---- formal customs and rituals of worship concerned mainly with the life Hereafter and of very little practical help for life here. No wonder, therefore, that the modern man in

> "Considering politics in terms of actual and not of abstract theories, it must be acknowledged that the identification of ruler and the ruled, assumed in the theory of the sovereignty of people is a practical impossibility. The Government is one set of people and the governed another."

A similar view has been expressed by another thinker *Rene Guenon*, in his book "The Crisis of the Modern World":

> "If the word democracy can be defined as the government of the people by themselves, it expresses an absolute impossibility ---- the relationship of ruler and the ruled necessitates the joint presence of the two terms. There can be no ruled if there were not also rulers ---- but the great ability of those who are in control in the modern world lies in making the people believe that they are governing themselves ---- It was to create this illusion that universal suffrage was invented ".

John F Kennedy about choosing between right and the most popular says:

> "But this is no real problem, some one will say. Always do what is right, regardless of whether it is popular. Ignore the pressure, the temptation, the false compromises. That is an easy answer ---- but it is easy only for those who do not bear the responsibilities of elected office".

While pointing out the defects we must not, however, blind ourselves to the many merits of the democratic system. The democratic form of government would pass muster in any comparison with Kingship, despotism and theocracy, (the last being the worst as it exploits the people in the name of God. That is why there is no place for priests in "Deen"). It is a bold advance on the earlier forms. By asserting the equality of all men and enlarging the area of individual liberty it has rendered remarkable service to humanity. Coming into existence mainly as a reaction to theocracy which gave the kings their divine right it assumed a purely secular character. While excluding religion from the purview

we leave them in the hands of a professional ---- the priest whose hold thus got stronger. This gave birth to theocracy or *sovereign power of the priest.*

Gradually some ambitious and powerful patriarch extended his sway over other tribes and assumed the role of a king. For this he needed an army and loyal generals to keep his hold over a large number of people. As it is not easy to keep control for long over all the people through brute force alone there were rebellions here and there. In this predicament he sought an ally. Fortunately for him a very willing ally was close at hand ---- the priest. As any social or political upheaval was likely to endanger the vested interest of both the king and the priest it was logical that they form an unholy alliance. The king bolstered the power of the priest in the religious domain and the priest cloaked the king with sanctity and awe. This doctrine of the Divine Right of kings which prevailed for long was eventually challenged by some great thinkers of the 17th and 18th century. Finally kingship was divested of its celestial power and the general will of the people came to be recognized as the ultimate source of authority. The way was thus paved for the advent of democracy. Democracy is now generally regarded as the best form of government. It developed chiefly in the west but people in Asia and Africa also regard it as the last word in political wisdom. Let us examine its claims carefully and see how far the praise showered on it is justified. Democracy has been defined as the government of the people, by the people, for the people. This implies that in a democratic state there is no distinction between the ruler and the ruled. People are supposed to rule themselves, through their elected representatives, from amongst whom are appointed ministers who actually run the government under the overall control of the Prime Minister (leader of the majority party).

This in brief is democracy. There is no doubt that this is the best system man has been able so far to evolve for himself. The basic concept on which it rests, namely, that nobody has the right to rule over another is ideal, but the point is whether it has achieved the aim it has laid before it. The West has been a cradle of Democracy. Let us see what the thinkers there have to say about it

In his book "The Crisis of Civilization" Professor *Alfred Cobban* of London University says:

WESTERN DEMOCRACY AND THE ISLAMIC SYSTEM OF GOVERNMENT

by

Rafeeq Ahmad

[Note: Unless specifically mentioned all references are from the Holy Book "***Al-Quran***" reading (Chapter *(Sura)*: Verse *(ayat)*]

Political System of Islam is nowhere close to the concept of Western democracy as it neither believes in sovereignty of the people nor in the majority rule.

Islam admits the rule of none but Allah and Allah alone. It does not admit the rule of an individual, a group of individuals or even all the people put together.

Western democracy is clearly not the rule of Allah and is thus basically far removed from the concept of the political system of Islam. It is (though perhaps only theoretically) the rule of the people. And not even all the people -- -- only 51% of them. The rest can only protest. They have no say in decision making.

Let us consider in greater detail what Western democracy really is. Before doing that, however, it would be pertinent to trace briefly the stages in the history of mankind that ultimately led to the establishment of democracy.

Anthropology does not support the view that man ever lived a solitary life like the tiger or the lion. He was weak and defenseless against the ferocious beasts that roamed about him. He had greater chances of survival living in a group. The groups that were thus formed were actually overgrown families. The authority exercised by the father passed into the hands of the patriarch who became the tribal chief. Patriarchal authority and rigid customs which came to be regarded as sacred, regulated the conduct of the members of the group. Soon, however, a new authority emerged in the group ----the priest. His supremacy was founded on his expert knowledge of observance of rituals which had by then assumed the position of religion in the group. As these rituals based mainly on superstition became more and more complex the patriarch was forced

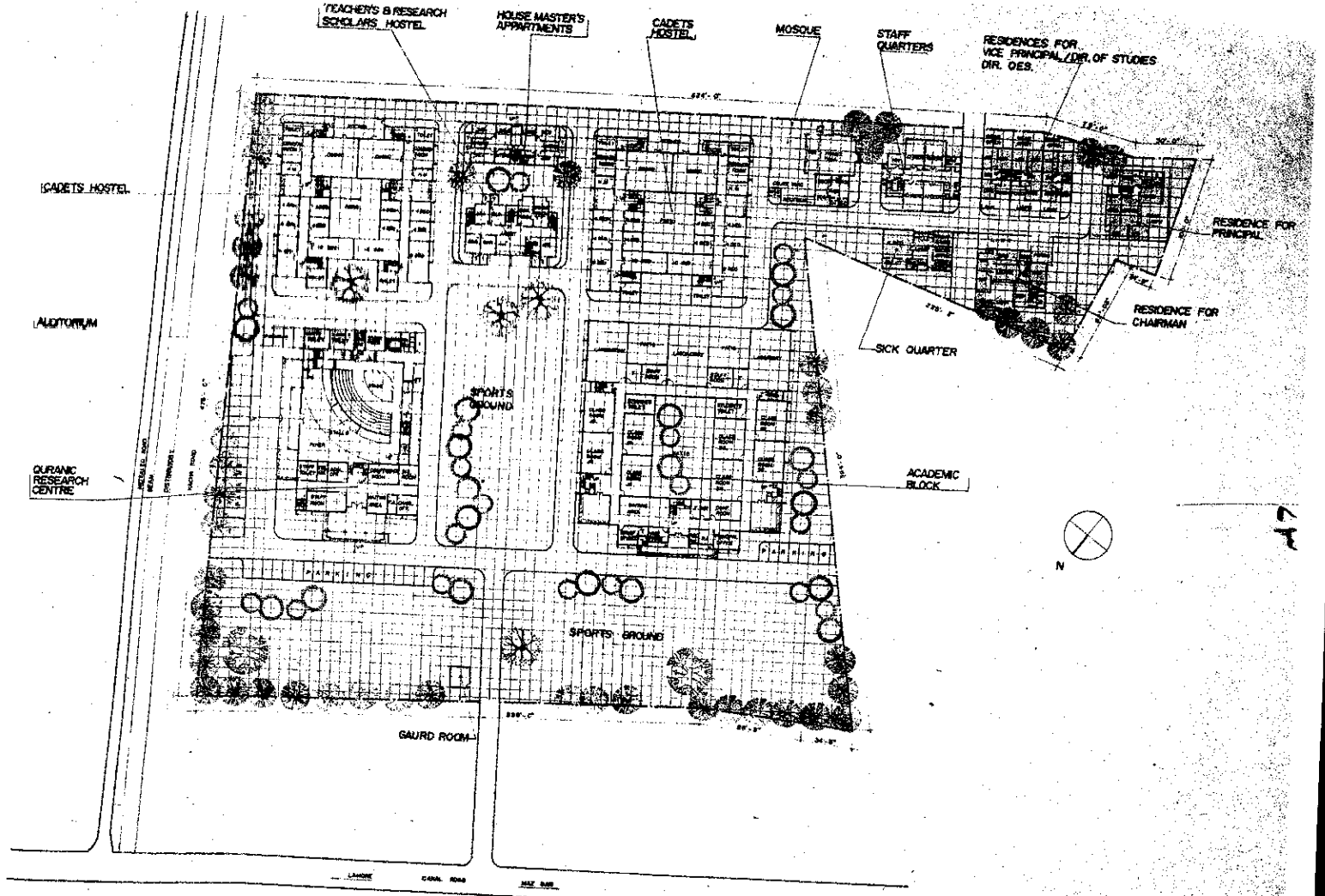

TEACHER'S & RESEARCH SCHOLARS HOSTEL
HOUSE MASTER'S APPARTMENTS
CADETS HOSTEL
MOSQUE
STAFF QUARTERS
RESIDENCES FOR VICE PRINCIPAL /DIR. OF STUDIES DIR. OES.
RESIDENCE FOR PRINCIPAL
RESIDENCE FOR CHAIRMAN
SICK QUARTER
CADETS HOSTEL
AUDITORIUM
SPORTS GROUND
QURANIC RESEARCH CENTRE
ACADEMIC BLOCK
N
PARKING
SPORTS GROUND
GAURD ROOM
LAHORE CANAL ROAD

Donation to Quranic Education Society

I_____

_____

residing at_____

_____

hereby send/promise to send Rs._____

as my donation for the construction of the Quranic Research Centre.

Please tick the avenue for which you wish your donation to be utilised.

	Cadet College		Quranic Research Centre		Quranic Education Society General Fund

Signature

sent in the name of Quranic Education Society (Regd.) and crossed 'payees' account only'. The Society will issue a receipt for each donation and also publish from time to time a statement of donations. Further particulars in regard to the proposed Quranic Research Centre may be obtained from the Secretary of the Society.

Addresses are as here under:

Chairman
Quranic Education Society,
25-B, Gulberg-2
Lahore. -- 54600
Tel: (042) 879246, 5865077, 856886

Secretary,
Quranic Education Society,
25-B, Gulberg-2
Lahore. -- 54660
Tel: (042) 879246, 7585826, 7586841

May Allah Bless You.

Chairman and Members of the Executive Committee

Habib-ur-Rahman Khan
Chairman

Muhammad Omar Draz
Secretary

Major (Retd.) Muhammad Yousaf Dar
Joint Secretary

Mohammad Mohsin
Treasurer

Brig (Retd.) Izazuddin Ahmad Khan
Member & Convener Planning Committee

Shaikh Allah Ditta
Member

Dr. Mohammad Hayat Mallick
Member

Ata-ur-Rahman Arain
Member

M. Shamim Anwar
Member

M. Arfi Sultana
Member

staff. Provision will also be made for canteens, roads and parks etc.

7. The technical planning of the Quranic Research Centre has already been completed (see layout plan attached) and construction, God willing, will soon start. As the establishment of the Quranic Research Centre is in the public interest the Government of Pakistan (Central Board of Revenue) is being approached for exemption u/s 47(d)(i) of the Income Tax Ordinance, 1979. Previously the Society was granted this exemption vide CBR No. 71(69)-ITP/65 dated 06.08.1965 but unfortunately for reasons beyond the control of the Society, renewal for this exemption was not formalised and the exemption lapsed.

8. The construction of the Quranic Research Centre would be in stages. The total approximate cost has been estimated at ten crore rupees. The first stage would require about five crores. The Society is fully aware that the completion of the project would require vast resources which at the moment are not available to it. At the same time it is fully confident that there is no dearth in our country of genuine philanthropists who would be eagerly willing to donate generously to a cause aimed at saving our future generations from utter ruin and destruction and make them instead flower into a society which would make this nation a beacon of light and blessing for humanity.

9. If you are in agreement with the aims and objectives of the establishment of the Quranic Research Centre and Cadet College, then, you are requested to donate generously, rather very generously. For this purpose the Society has opened accounts in Habib Bank Ltd. (i) Main Market Branch Gulberg Lahore (No. 5118-32), and (ii) Tollinton Market Branch Lahore (No. 2013-01). Cheques/drafts should be

brought Pakistan into existence. We have to build Pakistan on Quranic Concepts. For this purpose the Quranic Education Society was formed 27 years earlier with the approval of the Government of the Punjab (Deed of agreement No. 142-46 ARL/N dated the 20th January, 1969 Ref. Punjab Gazette dated August 3, 1973 Part III pages 1670, 1971), and was formally registered with the Government. Due to certain unfavourable circumstances the Society could not give practical shape to its objectives at that time but efforts continued to be made in that direction. The difficulties, one by one kept on disappearing and now by the grace of Allah the land earmarked for the proposed educational institution has been finally transferred to the Society and a fresh beginning for the attainment of the objectives have now been made. It would be pertinent here to mention that the Quranic Education Society (Regd.) has no affiliations nor concern with any particular religious sect or political party. It is based on pure Islamic Foundations with the object of kindling the true Islamic Concept in the minds of the youth.

6. With this objective in view the Society has embarked upon the establishment of the "Quranic Research Centre" alongwith a modern style educational institution. The pattern of the Centre will be a complex comprising a "Research Centre" (a post-graduate research institute), a library, an auditorium, an administrative block and a Cadet College for Boys (on the pattern of Hasan Abdal Cadet College) educating students from class 8th to 12th, a fully residential institution. A separate high school (upto Matric level) each for boys and girls will also run outside this complex. A primary school is already functioning. In addition there will be residential accommodation for administrative and teaching

problems -- personal, national or international -- in the light of Quranic Concepts and values. As Allama Iqbal has put it:

از کلیدِ دیں درِ دُنیا کشاد

"To unlock all worldly doors with the key of **Deen** (Permanent Values given in the Holy Quran)."

4. The Islamic Education should enable the students to solve every human problem in the light of Quranic Concepts. They should acquire a clear perception of how Quranic Knowledge becomes the key that unlocks the doors of human problems and unravels all mysteries of life. To seek for such knowledge, a new approach will have to be made, different from the all-too-familiar and futile teaching of Islamiyat in our educational institutions. The correct method of imparting education is that whatever the subjects of their studies, the student should be taught how every branch of knowledge can be helpful in accomplishing the great plan, which the Quran has set before us as the purpose of human existence. This plan aims at harnessing the forces and resources of nature and then utilising them for the benefit of all mankind in the light of Quranic Values. With education of this type, our youth will learn to regulate their individual and collective lives in accordance with the Permanent Values revealed by Allah and regard this behaviour as the highest virtue of man. He will acquire strength and purity of character which he lacks at present.

Obviously, for the attainment of this objective it is necessary to establish an epitome of the Ideology for which this State was created. Our first architect of Pakistan Sir Sayed Ahmad Khan, had arrived at a similar conclusion in his own time and laid the foundations of Aligarh Movement which ultimately

Quranic Research Centre and Cadet College

An appeal for co-operation

Dear Brother/Sister_____

Salam-o-Rahmat!

1. The future of nations, as we all know, depends on their growing and up-coming generations. It is they who mould the destinies of their people, for better or for worse. If the youth is educated on right lines, the nation's future becomes bright and free from anxiety and fear.

2. The purpose of our struggle to achieve Pakistan was that we should be able to conduct our lives in accordance with Quranic Concepts. After achieving Pakistan, our foremost duty should have been to recast our education system so as to bring it in tune with our ideology. But we have been criminally neglecting this foremost and sacred duty during the last 45 years. The result is an endless lament on the directionless manner in which our nation is moving. The only way out is to arrest this aimlessness and to make definite arrangements for imparting an objective oriented education to our youth in conformity with the philosophy of the ideological state of Pakistan.

3. The Ideology of Pakistan is based on Quranic Concepts and Quranic Evaluation of the personality and achievements of Rasool-Allah ﷺ. If the edifice of our educational system is built on the basis of this Ideology, our youth will find a purpose to live for and to die for. They will acquire a vision to deliberate on

QURANIC RESEARCH CENTRE & CADET COLLEGE

A PROJECT OF QURANIC EDUCATION SOCIETY (REGD)